ماہنامہ نعت لاہور
ماہنامہ نعت کے اداریے
جولائی 1998
الروضۃ الشریفۃ
(المدینۃ المنورۃ)

جلد ۱۱ جولائی ۱۹۹۸ شمارہ ۷

ماہنامہ "نعت" کے اداریے

ایڈیٹر: راجا رشید محمود

مشیرِ خصوصی:
چوہدری رفیق احمد باجوہ
ایڈووکیٹ

ڈپٹی ایڈیٹرز:
شہناز کوثر
اظہر محمود

مینیجر: اختر محمود

قیمت ۱۵ روپے (عام شمارہ)
۶۰ روپے (اشاعتِ خصوصی)
۲۰۰ روپے (زرِ سالانہ)
عرب ممالک کے لیے: ۱۰۰ ریال

پرنٹر: حاجی محمد نعیم کھوکھر: جیم پرنٹرز۔ لاہور
پبلشر: راجا رشید محمود
کمپیوٹر کمپوزنگ: نعت کمپوزنگ سنٹر
خطاط: منظر رقم
بائنڈر: خلیفہ عبدالمجید، بک بائنڈنگ ہاؤس ۳۸۔ اردو بازار۔ لاہور

اظہر منزل۔ مسجد سٹریٹ نمبر ۵۔ نیو شالامار کالونی۔ ملتان روڈ
فون ۷۴۶۳۶۸۴ لاہور (پاکستان) پوسٹ کوڈ ۵۴۵۰۰

فہرست

ماہنامہ نعت کے اداریے: فکری و فنی جائزہ

تحریر: پروفیسر افضال احمد انور
(گورنمنٹ کالج، فیصل آباد)

کسی مجلّے کا ادارتی صفحہ یا اداریہ بالعموم "افتتاحیہ" ہوتا ہے جس میں مدیر اس شمارے کے مشمولات و متعلّقات کا مختصر سا تعارُف کراتا ہے اور ان کی اہمیّت کے اجمالی اشارے کرتا ہے۔ موقع کی مناسبت اور جگہ کی گنجائش ہو تو قارئین سے کچھ ذاتی باتیں بھی کرلی جاتی ہیں، مشکلات کا رونا رویا جا سکتا ہے، مسائل و مصائب کے پیشِ نظر تعاوُن و اشتراک کی اپیل بھی کی جا سکتی ہے۔ آئندہ کے منصوبوں کا اعلان بھی کیا جا سکتا ہے۔ قارئین کیلئے ترغیبات کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

چونکہ ادارتی صفحہ "مدیر" کا لکھا ہوتا ہے لہٰذا بجا طور پر اسے رسالے کا پالیسی میٹر (Po Licy Matter) تصوّر کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادارتی نوٹ کی زبان غیر مبہم، دوٹوک اور بے حد محتاط ہوتی ہے۔ مدیر کو فن پر عبور ہو تو ہزار پابندیوں کے باوصف وہ دل کی بات کہ جاتا ہے۔ وہ گوناگوں پابندیوں اور احتیاطوں کے منجدھار میں سے سر نکال کر صُورِ اسرافیل پھونکتا ہے لیکن حُسنِ کلام کے باعث پابندیوں، جکڑ بندیوں اور سنسر کے کسی نہنگ کو قریب نہیں بھٹکنے دیتا۔ ایسا مدیر "سرِّ دلبراں" کو "حدیثِ دیگراں" بنا کر پیش کرنے کا بھی ماہر ہوتا ہے۔ اس کے رسالے کے اس شمارے میں موجود مواد کے مجموعی اثرات کے پیشِ نظر وہ قارئین کو تبلیغ بھی کر سکتا ہے، تنبیہ بھی۔ ایک سچّا مدیر ادارتی صفحے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا، کیونکہ اداریہ کے خیالات و الفاظ دل کی پہنائیوں سے نکلتے ہیں۔

یوں دیکھا جائے تو کسی بھی رسالے کا ادارتی صفحہ اس رسالے کا نصبُ العین بھی ہوتا ہے اور ادارے کی مجبوریوں، ضرورتوں اور مسائل کا غمّاز بھی۔ ایک مثالی اداریے میں مدیر کا اُسلوب جان بھر دیتا ہے۔ اسلوب، لکھنے والے کی شخصیت کا عکّاس ہوتا ہے۔ مدیر کی شخصیت جتنی بڑی اور عظیم ہوگی، اس کا اسلوب بھی اتنا ہی جاندار، شاندار اور باوقار ہوگا۔ چھوٹی شخصیت کا حامل مدیر کبھی بڑا اداریہ نہیں لکھ سکتا۔

مندرجہ بالا نکات کو ذہن میں رکھ کر جب ماہ نامہ "نعت" کے ادارتی صفحات پر ایک طائرانہ سی نظر بھی ڈالی جاتی ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ ایسی تیکنیکی جکڑ بندیوں میں پھنسے ہوئے فن میں بھی مدیر ماہنامہ "نعت" نے اپنے لیئے نئی راہیں نکالی ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے اس میدان میں بھی خود کو منوایا ہے۔

ماہنامہ نعت کے ادارتی صفحات یا اداریوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

روایتی اداریے

یہ ایسے اداریے ہیں جن میں متعلقہ شمارے کے موضوع کا تعارف کرایا گیا ہے اور بس۔ زیادہ سے زیادہ شمولات کے مآخذ کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ یہ اداریہ لکھنے کا حسابی انداز ہے۔ ایسا اداریہ رسالے کے ادارے کا کوئی بھی "باخبر" رُکن لکھ سکتا ہے۔ اس میں مدیر کی "ذات" نہیں بولتی، شخصیت کی انفرادیت نہیں جھلکتی، اسلوب کی منفرد خوشبو نہیں آتی۔ خوش قسمتی سے ایسے اداریے ماہ نامہ نعت میں "آٹے میں نمک" سے بھی کم ہیں۔ محض نمونے کے لیے ایک ایسا ہی روایتی اداریہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

"حضرت حسنؔ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، مشہور عالم دین اور بہت بڑے شاعر تھے۔ وہ اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی اور داغؔ دہلوی کے چہیتے شاگرد تھے۔

۱۹۸۷ء میں مجلسِ سخن کے زیرِ اہتمام ایک تقریب "تذکارِ نعت گستر" ہوٹل انٹرنیشنل لاہور میں ہوئی، جس میں حضرت حسنؔ بریلوی کے فکر و فن پر مضامین پڑھے گئے۔ اور بعض مشہور نعت خواں حضرات نے ان کا نعتیہ کلام سنایا۔

زیرِ نظر شمارے میں ان کے نعتیہ دیوان "ذوقِ نعت" سے پچاس نعتوں کا انتخاب اور متذکرہ بالا تقریب میں پڑھے گئے مضامین ہدیۂ قارئین ہیں۔"

(ماہنامہ نعت۔ اداریہ ص ۲، جنوری ۱۹۹۰ء)

اسی طرح اگست ۱۹۹۱ء اور اپریل ۹۲ء کا اداریہ بھی روایتی اداریوں میں مطلوبہ معلوماتی کوائف کی فراہمی، اختصار، جامعیت اور سہل اسلوب کا خیال رکھا گیا ہے۔

غیر روایتی اداریے

یہ وہ اداریے ہیں جن میں محض موضوع کا تعارف نہیں کرایا گیا بلکہ موضوع کی

"جان" لفظوں کی تجسیم سے زینتِ قرطاس بنا دی گئی ہے۔ ایسے اداریوں میں زبان نہیں دل بولتا ہے، لفظ نہیں جذبے بولتے ہیں، احساسات لفظوں کی ردائیں اوڑھ کر اداؤں کی شان دکھاتے ہیں۔ اشک گنگنانے لگتے ہیں۔ آہیں تاثیر بن کر دلوں پر قبضہ کرتی ہیں۔ عشق جنگل کی آگ سے بھی زیادہ رفتار سے دل و دل سماتا چلا جاتا ہے۔ عقیدت کی پختگی، بادِ سحر گاہی کے نم کی طرح آدمی کے ریشے ریشے میں سماتی چلی جاتی ہے۔ پسِ الفاظ، جذبوں کا ایک سحر ہوتا ہے، عقیدتوں کی جھلک ہوتی ہے، تاثیر کا کرشمہ ہوتا ہے۔ یہی سحر، یہی جھلک، یہی کرشمہ غیر روایتی اداریے کی جان کہلاتا ہے۔

راقم الحروف کے محتاط جائزے کے مطابق ماہنامہ نعت لاہور کے نوّے ۹۰ فی صد سے زیادہ اداریے غیر روایتی ہیں۔ ان اداریوں میں اسلوب کی جدّت، عقیدت کی حدّت، دردِ دل کی کسک، اختصار کی چمک، تبلیغ کی شان اور جذبوں کی آن ملتی ہے۔

ابتدائی برسوں میں اکثر اداریے مدیر کے خطِ قلم لکھے ہوئے ہیں، بعض کے آخر میں مدیر کے دستخط بھی ہیں۔ ایک اداریے کے آخر میں راقم الحروف مدیر کے دستخط دیکھ کر سوچ میں پڑ گیا کہ یہ امضاء اردو میں ہیں، انگریزی میں یا کسی افریقی رسمُ الخط میں۔ ذرا غور کیا تو اردو میں نکلے، اور غور کیا تو صاف "راجا رشید محمود" پڑھا بھی گیا۔ اور غور کیا تو یوں لگا جیسے کسی مسجد، کسی معبد کے تکونی برآمدوں کی کوہان جیسی ڈاٹیں اوپر کو نکلی ہوئی ہیں۔ دونوں طرف دو مینار ہیں اور درمیان میں گنبد کی شکل ہے۔ اور غور کیا تو عقیدت کی سرشاری نے مجھے ڈھانپ لیا، آنکھیں تر ہو گئیں اور اشکوں کی نمی میں یوں لگا جیسے یہ دستخط نہ ہوں میرے کریم و عظیم آقا ﷺ کے روضۂ مقدّس کے نقشہ کے ایسے خطوط ہوں جن کے درمیان میں اللہ محمد ﷺ لکھا ہوا محسوس ہوا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)۔

بے اختیار میرے منہ سے نکلا، مرحبا! اے فنافی العشق، صد مرحبا۔ اللہ اللہ!! جس کے دستخطوں کا یہ حال ہو، اس کے اداریوں کا کیا عالم ہو گا۔ یہی وہ سوچ تھی جس نے مجھے ماہنامہ نعت کے جملہ اداریے ایک دفعہ اور پڑھنے پر مجبور کیا۔ یہاں مناسب ہو گا اگر ایک غیر روایتی اداریے پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ فنّی تحسین سے پہلے ایک نمونہ سامنے رہے۔ دسمبر ۱۹۹۱ء کا شمارہ "حضور ﷺ کا بچپن" پڑھا۔ راجا رشید محمود اس کے اداریے میں رقم طراز ہیں:

مندرجہ بالا نکات کو ذہن میں رکھ کر جب ماہ نامہ "نعت" کے اداریتی صفحات پر ایک طائرانہ سی نظر بھی ڈالی جاتی ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ ایسی تیکنیکی جکڑ بندیوں میں پھنسے ہوئے فن میں بھی مدیرِ ماہنامہ "نعت" نے اپنے لیئے نئی راہیں نکالی ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے اس میدان میں بھی خود کو منوایا ہے۔

ماہنامہ نعت کے اداریتی صفحات یا اداریوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

روایتی اداریے

یہ ایسے اداریے ہیں جن میں متعلقہ شمارے کے موضوع کا تعارُف کرایا گیا ہے اور بس۔ زیادہ سے زیادہ شمولات کے ماٰخذ کی نشاندہی کردی گئی ہے۔ یہ اداریہ لکھنے کا حسابی انداز ہے۔ ایسا اداریہ رسالے کے ادارے کا کوئی بھی "باخبر" رُکن لکھ سکتا ہے۔ اس میں مدیر کی "ذات" نہیں بولتی، شخصیت کی انفرادیت نہیں جھلکتی، اسلوب کی منفرد خوشبو نہیں آتی۔ خوش قسمتی سے ایسے اداریے ماہ نامہ نعت میں "آٹے میں نمک" سے بھی کم ہیں۔ محض نمونے کے لیے ایک ایسا ہی روایتی اداریہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

"حضرت حسنؔ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، مشہور عالمِ دین اور بہت بڑے شاعر تھے۔ وہ اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی اور داغؔ دہلوی کے چہیتے شاگرد تھے۔

۱۹۸۷ء میں مجلسِ سخن کے زیرِ اہتمام ایک تقریب "تذکارِ نعت گستر" ہوٹل انٹر نیشنل لاہور میں ہوئی، جس میں حضرت حسنؔ بریلوی کے فکر و فن پر مضامین پڑھے گئے۔ اور بعض مشہور نعت خواں حضرات نے ان کا نعتیہ کلام سنایا۔

زیرِ نظر شمارے میں ان کے نعتیہ دیوان "ذوقِ نعت" سے پچاس نعتوں کا انتخاب اور متذکرہ بالا تقریب میں پڑھے گئے مضامین ہدیۂ قارئین ہیں۔"

(ماہنامہ نعت۔ اداریہ ص ۲، جنوری ۱۹۹۰ء)

اسی طرح اگست ۱۹۹۱ء اور اپریل ۹۲ء کا اداریہ بھی روایتی اداریوں میں مطلوبہ معلوماتی کوائف کی فراہمی، اختصار، جامعیت اور سہل اسلوب کا خیال رکھا گیا ہے۔

غیر روایتی اداریے

یہ وہ اداریے ہیں جن میں محض موضوع کا تعارُف نہیں کرایا گیا بلکہ موضوع کی "جان" لفظوں کی تجسیم سے زینتِ قرطاس بنادی گئی ہے۔ ایسے اداریوں میں زبان نہیں دل بولتا ہے، لفظ نہیں جذبے بولتے ہیں، احساسات لفظوں کی ردائیں اوڑھ کر اداؤں کی شان دکھاتے ہیں۔ اشک گنگنانے لگتے ہیں۔ آہیں تاثیر بن کر دلوں پر قبضہ کرتی ہیں۔ عشق جنگل کی آگ سے بھی زیادہ رفتار سے دل و دل سماتا چلا جاتا ہے۔ عقیدت کی پختگی، بادِ سحر گاہی کے نم کی طرح آدمی کے ریشے ریشے میں سماتی چلی جاتی ہے۔ پسِ الفاظ، جذبوں کا ایک سحر ہوتا ہے، عقیدتوں کی جھلک ہوتی ہے، تاثیر کا کرشمہ ہوتا ہے۔ یہی سحر، یہی جھلک، یہی کرشمہ غیر روایتی اداریے کی جان کہلاتا ہے۔

راقم الحروف کے محتاط جائزے کے مطابق ماہنامہ نعت لاہور کے نوّے ۹۰ فی صد سے زیادہ اداریے غیر روایتی ہیں۔ ان اداریوں میں اسلوب کی جدّت، عقیدت کی حدّت، دردِ دل کی کسک، اختصار کی چمک، تبلیغ کی شان اور جذبوں کی آن ملتی ہے۔

ابتدائی برسوں میں اکثر اداریے مدیر کے خطِ قلم لکھے ہوئے ہیں، بعض کے آخر میں مدیر کے دستخط بھی ہیں۔ ایک اداریے کے آخر میں راقم الحروف مدیر کے دستخط دیکھ کر سوچ میں پڑ گیا کہ یہ امضاءِ اردو میں ہیں، انگریزی میں یا کسی افریقی رسمُ الخط میں۔ ذرا غور کیا تو اردو میں نکلے، اور غور کیا تو صاف "راجا رشید محمود" پڑھا بھی گیا۔ اور غور کیا تو یوں لگا جیسے کسی مسجد، کسی معبد کے تکونی برآمدوں کی کوہان جیسی ڈاٹیں اوپر کو نکلی ہوئی ہیں۔ دونوں طرف دو مینار ہیں اور درمیان میں گنبد کی شکل ہے۔ اور غور کیا تو عقیدت کی سرشاری نے مجھے ڈھانپ لیا، آنکھیں تر ہو گئیں اور اشکوں کی نمی میں یوں لگا جیسے یہ دستخط نہ ہوں میرے کریم و عظیم آقا ﷺ کے روضۂ مقدّس کے نقشہ کے ایسے خطوط ہوں جن کے درمیان میں اللہ محمد ﷺ لکھا ہوا محسوس ہوا (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم)۔

بے اختیار میرے منہ سے نکلا، مرحبا! اے فنافی العشق، صد مرحبا۔ اللہ اللہ!! جس کے دستخطوں کا یہ حال ہو، اس کے اداریوں کا کیا عالم ہو گا۔ یہی وہ سوچ تھی جس نے مجھے ماہنامہ نعت کے جملہ اداریئے ایک دفعہ اور پڑھنے پر مجبور کیا۔ یہاں مناسب ہو گا اگر ایک غیر روایتی اداریئے پر ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ فنّی تحسین سے پہلے ایک نمونہ سامنے رہے۔ دسمبر ۱۹۹۱ء کا شمارہ "حضور ﷺ کا بچپن" پڑھا۔ راجا رشید محمود اس کے اداریئے میں رقم طراز ہیں:

"بسم اللہ

بچپن، معصومیت کا زمانہ ہوتا ہے۔

پھر --- معصوم اعلیٰ ﷺ کا بچپن کیسا ہو گا!

کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

جن کی تخلیق ان کی اپنی مرضی کے مطابق ہوئی، ان کا بچپن کس کی خواہشات پر پورا اترے گا۔

ولادت کے وقت جن کی زبان پر رَبِّ ھَبْ لِیْ اُمَّتِی کا نعرہ تھا، بچپن کی عصمت مآب ساعتوں میں اپنی گناہگار امت کو کب بھولے ہوں گے۔

وہ تو مہد میں چاند کے کھلونے سے اس لیئے کھیلتے رہے کہ امت کو تسخیرِ ماہ کا درس دیں۔ مگر وائے ناکردہ کاری، کہ ہم اس نکتے کو پا ہی نہ سکے۔

وہ تو بچپن میں شیما بہن کے ساتھ اور رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں اس لیئے چراتے رہے کہ امت کی بھیڑ کو کارواں کی صورت منظم ہونے کی راہ سجھائیں --- لیکن ہم نے بے نظمی سے رغبت کو نہ چھوڑا۔ بحیرا راہب نے انھیں دیکھا تو اس دلیل کے ساتھ انہیں نبی مانا کہ درخت انھیں سجدے کرتے تھے --- اور ہم ان کے لیئے تعظیم کے عمل پر سو، سو بار سوچنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

انھوں نے اپنی موروثی کنیز کو ماں اس لیئے کہا اور سمجھا کہ کوئی شخص غلاموں یا ملازموں کو حقیر نہ جانے۔ مگر ہم نے طبقات کی خلیج کو گہرا کیا، پاٹا نہیں۔

پھر --- ہم نے اپنے آقا و مولا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا بچپن یاد رکھا ہے یا بھلا دیا ہے؟

ہم مجرم ہیں یا نہیں؟

ہیں تو کتنے بڑے ہیں؟"

اس اقتباس سے صاحبِ تحریر کی وسعتِ مطالعہ، عشقِ رسول ﷺ، ادب و احترامِ محبوب ﷺ، استخراجِ نتائج کی بے پناہ صلاحیت، جوشِ اصلاح و فکری انقلاب، تعمیرِ کردار، حاسۂ تقابل، احساسِ زیاں، مبلغانہ انداز، درسِ محبت و اخوت کا اظہار ہوتا ہے اور بفضلہٖ یہی آن بان ان کے لکھے ہوئے دیگر اداریوں کو بھی حاصل ہے۔

اداریہ نگاری کا یہ انداز و اسلوب عام نہیں ہے۔ یہاں مذہب و ادب کی ہم آہنگی ہے، لفظ و معنیٰ کا وصال ہے، عقیدہ و عقیدت کا خوشنما مظاہرہ ہے۔ خلوص کی چاشنی ہے، تاثیر کی ہمہ گیریت ہے، آئینہ دیکھنے اور دکھانے کی کاوش ہے۔ سیرتِ پاک سے خود کی، اور باقی سب کی اصلاح کی کوشش ہے۔ مظلوم، مجبور اور نظر انداز کیئے ہوئے طبقوں سے ہمدردی ہے، رشتوں کی پہچان ہے۔ عشقِ رسول ﷺ کا فروغ ہے، احترام و تعظیمِ رسول ﷺ کا درس ہے۔ یہ اداریہ ذہنی دریچوں پر ایمانی دستک ہے۔ ایک ایسی دستک جو ذہن سے روح تک سب در کھول سکتی ہے، پھر لطف یہ کہ یہ سب کچھ صرف ایک صفحے پر مشتمل ہے، یہ جامعیت، یہ اختصار، لفظوں کا یہ استعمال بذاتِ خود ایک فن ہے، جو راتوں رات نہیں آتا، برسوں کی ریاضت کے بعد ہاتھ لگتا ہے۔

راقم الحروف نے دو پہلوؤں سے ان اداریوں کا جائزہ لیا ہے۔

(الف) فکری خصوصیات

(ب) فنّی خصوصیات (خصوصاً اسلوبِ نگارش)

جہاں تک ماہ نامہ نعت کی فکری خصوصیات کا تعلّق ہے، سب سے بڑی خصوصیت صاحبِ تحریر کا بے پایاں عشقِ رسول ﷺ ہے جس کا اظہار سطر سطر سے، لفظ لفظ سے اور حرف حرف سے پھوٹا پڑتا ہے۔ عشق کا یہ جذبہ چونکہ کسی دنیاوی لالچ، مالی منفعت یا مادی مفاد سے وابستہ نہیں لہٰذا اس کی تاثیر قاری دل و روح تک محسوس کرتا ہے۔

جنوری ۱۹۹۱ء کے اداریئے میں لکھتے ہیں:

"محبّت سچائی ہے، محبّت حقیقت ہے، محبت خدا ہے۔ محبت خدا کے محبوب ﷺ کا حق ہے اور ان کے اُمّتیوں کا فرض۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی محبت ہی کا نام اسلام ہے۔ جس کے محبوب، خدا کے محبوب (ﷺ) نہیں، وہ مسلمان نہیں۔ اور --- جو محبت میں جانِ عزیز کو عزیز نہ سمجھے، وہی محب ہے۔ محبوب کی عظمت کو سلام کرنا، محبوب کی عزت سے محبت کرنا، محبوب کی حُرمت پہ مرمٹنا، محبوب کی ناموس کی مردانہ وار حفاظت کرنا --- اس راہ میں جان لے لینا یا جان دے دینا ہی معراجِ محبّت ہے۔"

ذرا محبوبِ کریم ﷺ کی محبت میں مدیرِ محترم کی ترزبانی تو دیکھیئے:

"ایک محبوب ہستی کے لیئے سب کچھ بنایا گیا۔ دنیائیں ہیں تو اس ہستی کے دم

قدم سے' دنیاؤں میں ایک نظم و ترتیب ہے تو اس ہستی کے باعث۔ رحمت اس ہستی کی صفت نہیں --- رحمت وہ ہستی خود ہے' ہر عالم کے لیئے رحمت' سراپا رحمت۔ رحمۃ للعالمین (ﷺ) کو سلام"۔ (ماہنامہ نعت' اداریہ' جولائی' اگست ۹۳ء)

حضور نبیؐ کریم فداہ ابی و امی و روحی (ﷺ) کے ساتھ عشق و محبت تو ہر مسلمان کا خاصہ ہے کہ اس کے بغیر کوئی صاحبِ ایمان ہو ہی نہیں سکتا۔ راجا صاحب کے عشق کو ایک اضافی ڈیوٹی سونپی گئی ہے۔ وہ یہ کہ وہ اپنے عشق کا والہانہ اظہار ہی نہیں کرتے' اس کی تبلیغ و ترویج کے لیئے بھی قولاً" فعلاً" اور قلماً" کوشاں رہتے ہیں:

"کوئی علم رکھتا ہو یا بے علم ہو۔ اپنی ہیئت کے اعتبار سے نیک لگتا ہو یا نہیں۔ عمل کو اپنا طرۂ امتیاز بنائے ہو یا بے عملی کو شعار کیئے ہوئے ہو۔ شاعر ہو یا نہ ہو۔ اُسے قلم اٹھانا آتا ہو یا نہ آتا ہو۔ وہ علمِ دین میں یگانۂ روزگار ہو یا اس سے بیگانہ --- غلامیِ سرکار ﷺ کا طوق اپنے گلے سے نہ اتارے' کوچۂ حضور ﷺ سے دریوزہ گری کا رشتہ نہ توڑے' نیاز مندی اور غلامی کی سند پر مفتخر رہے تو کامیاب ہے۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام اُسے بُلا بلا کر نوازتے ہیں۔ پھر جھولی پھیلانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ دستِ طلب اٹھنا بھول جاتا ہے مگر عنایات میں کمی نہیں ہوتی"۔ (اداریہ' دسمبر ۱۹۹۵ء)

عشق اور پھر خلاقِ اکبر جلّ شانہٗ کے محبوبِ کریم ﷺ کا عشق اگر ادب و احترام سے تہی ہو تو وہ محض دعویٰ ہے یا دکھاوا۔ ماہنامہ نعت کے اداریئے بفضلہٖ ادب و احترامِ رسول ﷺ سے معمور ہیں۔ کسی اداریئے میں (بلکہ راجا صاحب کی منظومات اور دیگر نثری کاوشوں میں بھی) حضور نبیؐ اکرم ﷺ کے حضور صیغہ واحد حاضر تُو' تُم' تیرا' تیری' تجھے.... ....وغیرہ سے خطاب نہیں کیا گیا۔ آقا حضور ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں کوئی استغاثہ جھکی گردن' اشک برساتی آنکھوں' کانپتے ہونٹوں اور لرزتے دل کے بغیر پیش نہیں کیا گیا۔ ایسی شخصیت کا قلم محبّت کے مقابلے میں ہر مفاد کو ٹھکرا دیتا ہے' ہر لالچ پر تھوک دیتا ہے اور نعرہ زن ہوتا ہے:

"تُف اس محبّت پر جو سُود و زیاں کے پیچ میں اُلجھے۔ لعنت اُس بندے پر جسے آقا ﷺ کی خوشنودی سے بڑھ کر کوئی تمنا ہو' جسے آقا ﷺ کی بارگاہ کے علاوہ کہیں سے دریوزہ گری کی خواہش ہو"۔ (فروری ۸۹')

عشق اور ادب کے ساتھ ساتھ تیسرا جُزو جذبہ تحفّظِ ناموسِ رسالت ہے۔ عشق کا دعویٰ دار اگر محبوب کے خلاف کسی کی بدتمیزی' تنقیص یا طنز کو برداشت کر لے' چُپ سادھ لے یا کوئی خوف' مصلحت' ترغیب' تحریص' تنبیہ وغیرہ اُس کی زبان گنگ کر دے' تو وہ عاشق نہیں' بے غیرت ہے۔ محبوبِ کون و مکاں ﷺ کے معاملے میں تو یہ مسئلہ اور زیادہ نازک صُورت اختیار کر لیتا ہے۔ محبوبِ حقیقی ﷺ کی ناموس پر سب کچھ لُٹا دینا' اہانت کے مرتکب کو کیفرِ کردار تک پہنچانا اور پھر اس کا سرِ عام اعلان کر کے' رسنِ دار کو زینتِ گلُو کرنا مسلمان کا اصل شیوہ ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کے لیئے جان قربان کرنے کا جذبہ ہے تو ایمان پکّا ہے۔ یہ جذبہ خام ہے تو کچھ بھی نہیں۔ یہ جذبہ جس کے پاس ہے وہ امیرِ وقت ہے' شاہِ زمن ہے' حُسینِ عصر ہے' نابغۂ دہر ہے۔ وہ ظاہراً" مفلوک الحال بھی ہے تو رشکِ صد عبید اللہ احرار ہے۔ وہ کمزور و ناتواں بھی ہے تو رشکِ جبریلؑ ہے۔ وہ بے علم اور اَن پڑھ بھی ہے تو مخدومِ رومیؒ و جامیؒ و اقبالؒ ہے۔ یہ جذبہ' یہ سرفروشی کا جذبہ' اپنے آقائے کریم ﷺ کی ناموس پر سب کچھ لُٹا دینے کا عزم ماہنامہ نعت کے اداریوں کا مرکزی نقطہ ہے۔ مدیرِ موصوف بفضلہٖ نہ صرف یہ کہ خود اپنے آقائے کریم ﷺ کے بے حد باغیرت غلام ہیں بلکہ اِس جذبہ جانثاری کے پرچارک بھی ہیں۔ "شہیدانِ ناموسِ رسالت" جنوری ۹۱ء سے مئی ۹۱ء تک مسلسل پانچ ماہ تک نکلتا رہا۔ ان نمبروں کے اداریوں میں یہ جذبہ عروج پر ہے۔ جنوری ۹۱ء کے اداریئے میں حضرت غازی علم الدینؒ' حضرت غازی عبدالرشیدؒ' حضرت غازی مرید حسینؒ' حضرت غازی میاں محمدؒ' حضرت غازی محمد صدیقؒ' حضرت غازی عبدالقیومؒ اور حضرت غازی محمد عبداللہؒ (شہیدانِ ناموسِ سرکار ﷺ) کے حضور غلامانہ خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔

"ایسے شہیدانِ ناموسِ سرکار (ﷺ) ہی محبّت کی راہ میں عظمت کے مینار ہیں۔ آسمانِ محبت کے اِن درخشندہ و تابندہ ستاروں کو' زمین کے حقیر ذرّوں کا سلام! ہمارا سلامِ عقیدت اگر اَن کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پالے تو ہماری زندگی باجواز ٹھہرے۔ ازل ابد کے اِن زندوں سے نسبت ہمیں بھی زندہ رکھ سکتی ہے۔ خدا ہماری اس نسبت کو زندہ رکھے"۔ (جنوری ۱۹۹۱ء)

اگلے شمارے کے اداریئے میں اس خراجِ تحسین نے یہ صورت اختیار کی:

"قصرِ تاریخ کے کھنڈرات کو شاتمیت کے بھوتوں کا مدفن بنا کر خوشی سے دار پر جھول جانے والے ـ ـ ـ انسانیت کا ناز ہیں، ملّت کا سرمایہ ہیں، اللہ کے محبوب ہیں۔ اُن کے ذکر میں جھک جانے والے سر کہیں نہیں جھکتے، کہیں نہیں جھکتے"۔ (فروری ۹۱ء)

اِس عبارت کی ادبی چاشنی ابھی زیرِ بحث نہیں، ابھی صرف اِن الفاظ میں سمائی ہوئی محبت و عقیدت کو دیکھئے۔ اسی اداریئے میں شاتمانِ ناموسِ رسالت کے لئے لہجہ دیکھئے:

"قصرِ تاریخ کے شکستہ حصوں میں راجپال، شردھانند، پالا مل، سلمان رُشدی اور اِن جیسے دوسرے بھوت پریت ہونکتے، بھونکتے دکھائی دیتے ہیں۔ اِس نسل کے پھیلے ہوئے ہونٹوں اور لٹکتی ہوئی زبانوں کا انقطاع تاریخ کے ہر دور کی اہم ضرورت رہی ہے"۔ (ایضاً")

مارچ ۹۱ء کے اداریے میں دل میں پوشیدہ آرزو زبانِ قلم سے یوں ادا ہوئی: "محمد عبداللہؐ کے جیالے صاجزادے نے رام گوپال اور صوبیدار غلام محمدؒ کے جوانمرد فرزند نے چرن داس کو کیفرِ کردار تک پہنچایا ـ ـ ـ خدا کرے راجا غلام محمدؒ (راجا رشید محمود صاحب کے والدِ گرامی قدر) کے معصیت پیشہ بیٹے کے ہاتھ رُشدی کی گردن تک پہنچیں، وہ جہنم رسید ہو اور یہ گوہرِ مُراد پالے"۔ (اداریہ مارچ ۹۱ء)

اسی اداریئے میں مدیرِ موصوف نے کتنی تلخ حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ناموسِ سرکار ﷺ کے مقابلے میں کوئی طاقت، کوئی بادشاہت کوئی چھوٹی یا بڑی شخصیت پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی:

"رُشدی کی کتاب چھاپنے والے ادارے پنگوئن میں ساٹھ فی صد حصص امیرِ کویت کے تھے۔ اُس کا حال تو دنیا دیکھ رہی ہے، انجام بھی دیکھے گی"۔ (ایضاً")

راقم الحروف کے نزدیک راجا رشید محمود صاحب کی شخصیت اور اسلوب ایک دوسرے کے آئینہ دار ہیں۔ اس شخصیت اور اس شخصیت کے اسلوب کو بطرزِ الجبرا یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

عشقِ رسول ﷺ + ادبِ رسول ﷺ + حفظِ ناموسِ رسول ﷺ = مدیرِ نعت کی شخصیت و اسلوب

نعت اداریوں کی ایک دوسری اہم خوبی صاحبِ تحریر کی وسعتِ مطالعہ ہے۔

جنہیں مدیرِ موصوف سے ملنے، ان کی تحقیقات کا مطالعہ کرنے اور ان کی نعت لائبریری دیکھنے کا موقع ملا ہے، وہ ان کی وسعتِ مطالعہ کے معترف ہیں۔ "نعت" کے اداریئے بھی اِس جوہر سے خالی نہیں: "معراج النبی ﷺ نمبر" کے اداریئے میں رقم طراز ہیں:

"..... بلندی اتنی کہ طائرِ سدرہ اسے کلغی تھام کر دیکھنے کی جرأت بھی نہ کر سکے۔ علوِ مرتبت ایسا کہ جانِ عالمین ﷺ جب مکان و لامکان اور زمان و لازمان سے وَرے چلے گئے تو عالمین کا نظام رُک گیا۔ کائناتوں کا جو کل پرزہ جس مقام پر تھا، وہیں جامد ہو گیا، وقت اور فاصلے کی نبضیں تھم گئیں۔ سورج جہاں تھا، وہیں "گلِ محمد" ہو گیا۔ رات ڈھلنا بھول گئی۔ واپسی پر بستر کی گرمی کا برقرار رہنا اور زنجیرِ در کا جنبش ہونا اِسی حقیقت کا علامتی اظہار تھا۔ معراج ایسی کہ تمنائے رویت کرنے والوں کو کورا جواب دینے والا، کسی کو سامنے بٹھالے۔ یہ کہہ کر فخر کرے کہ دیکھنے والے کی آنکھ نہیں جھپکی۔ یہ بتاتے ہوئے مزا لے کہ دو کمانوں کا فاصلہ تھا، پھر وہ بھی نہ رہا۔ قُربت بامعنیٰ ہو گئی"۔ (دسمبر ۹۳ء)

اس نثرپارے میں محبّت، سرشاری، والہانہ پن، ادبیت اور تلمیحات کی رنگا رنگی کے ذکر کا یہ محل نہیں، اہلِ ذوق محسوس کیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہاں صرف تبحّرِ علمی اور کثرتِ مطالعہ کے پس منظر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے جس کے بغیر ایسا شاہکار فن پارہ لکھا نہیں جاسکتا۔

ان اداریوں کی ایک قابلِ ذکر خوبی مقصدیت ہے۔ ذاتی عشقِ رسول ﷺ کی نشوونما اور جہان بھر میں اس کی ترویج وہ نصب العین ہے جس سے وابستگی کا اظہار ہر اداریئے میں موجود ہے۔ مدیرِ موصوف نے اپنے قلم سے تبلیغ کا کام لیا ہے۔ اصلاحی ادب جن خصوصیات کا حامل ہونا چاہئے، وہ سب ان اداریوں میں موجود ہیں۔ پہلے شمارے کے اداریئے میں انھوں نے ماہنامہ نعت کے اجرا کا مقصد یوں بتایا تھا۔

"ضرورت تھی کہ نعت کے موضوع پر ہونے والے کام کو مجتمع کیا جائے، نعت کہنے، پڑھنے سننے والوں اور اس موضوع پر تحقیقی کام کرنے والوں میں اشتراکِ عمل کی کیفیت پیدا ہو، اور نعت کے حوالے سے مختلف پہلوؤں پر تحقیق ہو"۔ (جنوری ۱۹۸۸ء)

نعت اداریوں کا کوئی ایک فقرہ بلکہ لفظ بھی مقاصدِ جلیلہ سے عاری نہیں ہوتا۔ اِس رسالے کا نصب العین بہت عظیم ہے اور ایسے نصب العین کا حصول کُل وقتی اور ہمہ

جتنی توجہ کے بغیر ممکن نہیں۔ ماہنامہ نعت کے ذریعے، نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کی بلحاظِ
موضوع و ہیئت متنوع اقسام متعارف ہوئی ہیں لیکن اداریوں کے ذریعے نعت کی ایک ایسی
قسم دریافت ہوئی ہے جس پر (ان اداریوں سے پہلے) بعض پی ایچ ڈی حضرات کی توجہ بھی
بایں طور نہیں رہی تھی۔ نعت کی یہ قسم "کرداری نعت" کہلائی جاسکتی ہے۔ مدیرِ موصوف
کے اداریوں نے بڑے تسلسل اور بڑی محنت سے ثابت کیا ہے کہ نعت صرف لکھنے، پڑھنے
اور سننے تک ہی محدود نہیں۔ نعت عملاً" کچھ کر کے دکھانے کا بھی نام ہے۔ مدیرِ موصوف
ہی کی زبانی سنئے:

"نعت صفحۂ قرطاس پر بھی رقم کی جاتی ہے اور دل کے کینوس پر بھی۔ نعت بحور و
قوافی کی پابندی سے بھی کہی جاتی ہے اور نثر کی رنگینیوں اور نیرنگیوں کے جلو میں بھی۔
نعت، دماغ میں موجود ذخیرۂ الفاظ سے بھی بیان کی جاتی ہے اور دل کی لفظیات کے
بل بوتے پر بھی۔ میں اور آپ، نعت کے حروف، الفاظ، تراکیب اور مصرعے روشنائی ہی
سے لکھتے ہیں ـ ـ ـ اور شہیدانِ ناموسِ رسالت نے مزرعِ نعت کی آبیاری اپنے خونِ
پاک سے کی ہے۔

ہم نے مرغِ تخیل کو عروض کی قیود میں جکڑ کر ـ ـ ـ اور انھوں نے طائرِ روحِ
مقید کو آزاد کر کے نعت کے بند لکھے ہیں..... محافظانِ حرمتِ آقا و مولا (علیہ التحیۃ
والثناء) نے نعت کے ارقام کی خواہش میں، روشنائی کے طور پر اپنی رگوں سے خون کا
آخری قطرہ بھی نچوڑ دیا، تو گویا لاثانی خالق و مالک کے لاثانی محبوب (ﷺ) کی حقیقی نعت
لکھنے کا اہتمام کیا..... خداوندا! ہمیں بھی وہ اسلوب اپنانے کی توفیق مرحمت فرما۔ ہم نعت
کہتے کہتے، نعت پڑھتے سنتے، محبت کے اس جادے پر گامزن ہو جائیں جو سلمان رشدی کے
قتل کی منزل پہ پہنچادے! اور بدلے میں ہمیں دار کو بوسہ دینے کی سعادت مل جائے!!"
(مئی ۱۹۹۱ء)

اس عبارت کے لفظ لفظ سے عشق، ادب اور تحفظ ناموسِ رسالت کا وہ نور ٹپک
رہا ہے جسے راقم نے ان اداریوں کا خاصہ قرار دیا ہے۔ محض مقصدیت کے عنصر کو نمایاں
کرنے کے لئے بھی مندرجہ بالا سطور کافی ہیں۔ درود پاک کی تبلیغ کا یہ پیرایہ کتنا دلکش ہے:
"خود ایک کام کرنے والی ہستی، بلکہ صرف ایک ہی کام کرنے والی قادر و توانا ہستی،

ہمیں بھی وہ کام کرنے کا حکم دیتی ہے اور ہم اس کام میں دل و جان سے مصروف ہو جاتے
ہیں تو اس ہستی کا ہمارے ساتھ کیا رویّہ ہو گا؟
درود پاک کی کثرت کر کے دیکھ لیجئے!" (اپریل ۹۸)

عقیدہ و عقیدت کی پختگی نے خلوصِ نیت سے ہم کنار ہو کر ان اداریوں کو شہکارِ
خونِ جگر بنا دیا ہے۔ ایک صفحے کے اداریے میں فکر کی اتنی خوبیوں کا ہونا غیر معمولی کارنامہ
ہے۔ ان اداریوں کی راست گوئی، نور گستری، اخلاص کاری، دلکشی اور ایمان پروری آنے
والے زمانوں کے صحافتی رویوں کو چراغِ راہ بن کر منزل دکھاتی رہے گی۔

جہاں تک اِن اداریوں کی فنی خصوصیات کا تعلق ہے، ہمیں ان کے اسلوب کا
تجزیہ کرنا ہو گا۔ اسلوب (Style of writing) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "Style is
the man himself" ۔ جس کا سیدھا سادا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا اُسلوب اس کی
شخصیت ہی کا عکّاس ہوتا ہے۔ لہٰذا مدیرِ موصوف کی شخصیت پر ایک نظر ڈالنا ازبس
ضروری ہے کیونکہ مندرجہ بالا مقولہ ان کی شخصیت اور طرزِ تحریر پر کماحقہ، پورا اترتا ہے۔
مدیرِ موصوف کے اہلِ خانہ، رشتہ دار، اعزہ اور دیگر احباب اتنی سی بات ضرور جانتے ہیں
کہ راجا صاحب کی تربیت دیندار گھرانے میں، کریم و حلیم والدین کی خصوصی شفقتوں اور
ماحول کی پاکیزگی سے ہوئی ہے۔ مذہبی ماحول، عشقِ رسول ﷺ کی فضا اور متعلقین کی
دینداری نے ان کی شخصیت سازی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ شخصیت کثرت سے درود
شریف پڑھنے والی، درود شریف کی تبلیغ کرنے والی، دوستوں کے دکھ درد میں کام آنے
والی، ذکرِ محبوب ﷺ پر تڑپ جانے والی، ہجرِ محبوب کریم ﷺ میں رونے اور رُلانے والی
ہے۔ تدبّر، حلم، خلوص، راستی، عقیدے کی پختگی، بے خوفی، حق گوئی اور دیانتداری سے
اس کے کردار کی تشکیل ہوئی ہے۔ یہی خوبیاں اس شخصیت کے اسلوب میں بھی پائی جاتی
ہیں۔ عربی فارسی سے آگاہی، خصوصاً" قرآن و حدیث کے مطلب تک براہِ راست رسائی
نے ان کے اسلوب کو قرآنی اسلوب کے فیوض کا خوشہ چیں بنا دیا ہے۔ اس قرآنی اسلوب
کے عکس کا اظہار ماہ نامہ نعت میں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔ قرآن مجید کے اسلوبِ رحمانی پر
قلم اٹھانا کارِ آساں نہیں، چھوٹا منہ بڑی بات، راقم خود کو اس کا اہل نہیں پاتا۔ تاہم تائیدِ
ایزدی سے اس ربانی اسلوب کی چند اہم باتیں سامنے رکھی جاسکتی ہیں۔ عقائد، اعلائے کلمۂ

الحق، فلاح و فوزِ انسانی، دستورِ حیات، عبادات، قصص و عبر، نجاتِ اُخروی، وعظ و خبر، جیسی ان گنت فکری خوبیاں رکھنے والی اس کتاب میں حبّ و احترامِ رسولِ کریم ﷺ اِسی طرح شامل ہے جیسے شربت میں مٹھاس، جیسے پھول میں خوشبو، جیسے دودھ میں سفیدی۔ ان فکری خصوصیات سے مدیرِ نعت نے اتنا کچھ سیکھا ہے، جتنا ان کے خالق و مالک کو منظور ہے چنانچہ ان اداریوں میں عقائد، فلاح، راست گوئی وغیرہ خصوصیات میں عشق و احترامِ محبوبِ کریم ﷺ جس طرح جھلکتا ہے وہ کوئی امرِ مخفی نہیں۔

"وہی (خدا) نعت کی مُوجد ہستی ہے۔ اسی نے قیامت تک اس صفت سے متّصف ہونے والوں کو نعت کے آداب سکھائے ہیں۔ ناعتو! جس کی سُنّت میں نعت کہتے ہو، نعت میں اسی کے مضامین و موضوعات کی بھی پیروی کرو"۔ (جون ۱۹۹۵ء)

قرآن کے اسلوب کی اہم تر خصوصیات شانِ تخاطُب، اختصار، جامعیت، عبارت کا توازن، لحن کی خوبی، وغیرہ وغیرہ سب کے علم میں ہیں اور ان خوبیوں کو اپنانے سے آج بھی انسان اپنی تحریر کو بہتر سے بہتر بنا سکتا ہے لیکن اُسلوبِ قرآنی کی سب سے بڑی خوبی "اعجاز" ہے جو پڑھنے سننے والوں کے دل و دماغ پر مستولی ہو کر ان کے جسموں اور ان کی روحوں تک کو متأثر کرتی ہے۔ ایک لمحے میں سنگِ خارا کو موم اور ابابیل کو فیل کُش بنا دیتی ہے۔ جو زندگیاں بدل دیتی ہے، قاتلوں کو محافظ اور دشمنوں کو دوست بنا دیتی ہے۔ یہ تاثیر، یہ اعجاز صرف اور صرف قرآنِ مجید ہی سے مخصوص ہے اسی لیے کوئی دوسرا زمینوں آسمانوں کی سب قوّتوں کے ساتھ مل کر بھی قرآنِ کریم جیسی ایک آیت بھی بنانے پر قادِر نہیں۔ اس تخصّص کے علاوہ دیگر فنّی خوبیوں سے ہر شخص باذنِ الٰہی متمتّع ہو سکتا ہے۔ ماہنامہ نعت کے اداریوں میں قرآنی اسلوب کی متعدد خصوصیات سے رہنمائی حاصل کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً

(الف) قرآنِ مجید ضرورت سے زیادہ ایک لفظ بھی استعمال نہیں کرتا۔ ایجاز و اختصار اس کی بڑی خوبیوں میں سے ہے۔ مدیرِ نعت کی ادارتی تحریر بھی قرآنِ پاک کی برکت اور اثر سے اختصار کی حامل ہوتی ہے۔ ہر اداریے کا محض ایک صفحے پر مشتمل ہونا اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(ب) قرآنِ مجید کی عبارت نپی تُلی، نہایت متناسب و متوازن ہوتی ہے، اس میں

حسبِ منشا اندرونی قوافی کا بھی استعمال ہوتا ہے، لحن کی شان اس کی تاثیر میں اضافہ کرتی ہے، الفاظ کا استعمال قابلِ دید ہے۔ حروف و الفاظ کے انتخاب میں بھی قرآن بے مثل کتاب ہے، قرآنِ مجید کی اِن خصوصیات کا فیض مدیرِ نعت کے ہاں بھی ملتا ہے۔ یہاں بطورِ نمونہ چند فقرات دیئے جاتے ہیں (یہاں قرآنِ مجید سے خدانخواستہ تقابُل مُراد نہیں، محض قرآنِ مجید سے اثر پذیری کی عملی شکل دکھانا مقصود ہے)

"ناعت خالق ہو تو یہ اس کے کرم کا اظہار ہے، ناعت مخلوق ہو تو یہ اس کے عجز کا شاہکار ہے"۔ (جون ۱۹۹۵ء)

"نعت قرطاس و قلم ہی کا اعزاز نہیں ہے، تیغ و تفنگ کے لہجے میں بھی بولتی ہے۔ حُرمت و تقدیسِ نبوت کے محافظوں نے صفحۂ تاریخ پر اپنے خون سے جو نعت رقم کی ہے، اسے کون فراموش کر سکتا ہے۔ ارقامِ نعت میں روشنائی کے بجائے خون کا غیرت گروپ استعمال ہوتا ہے"۔ (مئی ۱۹۹۵ء)

(ج) قرآنِ مجید کے اسلوب کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر الفاظ کے تکرار سے مضمون پر زور دیا جاتا ہے، جس سے تاثیر میں بے پایاں اضافہ ہو جاتا ہے۔ قرآنِ مجید کی اس خوبی کا اِتّباع ماہنامہ نعت کے اداریوں میں بھی ملتا ہے مثلاً

"عشق کی واردات نے جس کا گھر دیکھ لیا، مُحبّتوں کے خزانے نے جہاں اپنے خیمے گاڑ دیئے، وہ شخص غریب کہلائے بھی تو غریب نہیں ہوتا، ہو ہی نہیں سکتا"۔ (جون ۱۹۹۱ء)

"احساسِ غلامی کو شرفِ پذیرائی دے دیا گیا ہے، بندہ اپنے آپ میں کیسے رہے۔ یہ سند سب سے بڑی سند ہے۔ سب سے بڑی سند ہے"۔

(د) تخاطُب کا سلیقہ بھی مدیرِ نعت نے قرآنی اسلوب ہی سے سیکھا ہے۔ اُن کے اداریوں میں تخاطب کبھی خدا کی ذات سے ہے، کبھی محبوبِ خدا ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات سے۔ کبھی محافظانِ ناموسِ رسالت سے ہے، کبھی منافقینِ وقت سے۔ کبھی دوستوں سے، کبھی غیروں سے۔ لیکن مخاطَب کے بدلنے سے مخاطِب کا لہجہ بھی بدل جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ابولہب، دیگر انبیاءؑ اور ان کی اقوام، منافقین و مشرکین، مؤمنین اور حضرت خاتم النبیین ﷺ سے خدائی خطاب موجود ہیں، ہر جگہ رنگ و لہجہ مختلف ہے۔ ماہنامہ نعت کے اداریوں میں بھی جہاں تخاطُب خدا سے ہے وہاں عجز ملتا ہے، جہاں رسولِ خدا ﷺ سے کچھ

عرض کیا گیا ہے، کمال درجہ ادب و احترام کا خیال رکھا گیا ہے۔ دوستوں سے تخاطُب نرم لہجے میں ہے، شاتمانِ رسالت اور دشمنانِ رسولِ کریم ﷺ سے گفتگو میں بجلی کی کڑک ہے۔ منافقین سے تخاطُب میں حد درجہ بیزاری ملتی ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں یہ صفتِ اُسلوب، قرآنِ مجید سے خوشہ چینی ہی کی بدولت ہے۔

"اسلوب کی یہ چلمن اَسرار و معارِف کی اَن گِنَت باریکیاں رکھتی ہے جنھیں صرف جاننے والی آنکھ ہی اپنے اندر سمو سکتی ہے"۔ (مارچ ۱۹۸۹ء)

قرآنی اسلوب سے فیض پذیری کے علاوہ ماہنامہ نعت کے اداریوں کے اسلوب کے تخصّص کی دوسری جہت "شعری حربوں کا استعمال" ہے۔ مدیرِ موصوف خود ایک منجھے ہوئے، کثیر الکلام شاعر ہیں۔ صرف شاعر ہی نہیں، مانے ہوئے نقّاد اور محقّق بھی ہیں۔ ایسا شخص شعر کی خوبیوں کو بہتر سمجھتا ہے جو ذوقِ سلیم بھی رکھتا ہو اور شعر کی ان خوبیوں کو بھی جانتا ہو جن سے کوئی خیال، شعر بنتا ہے۔ اگر ان خوبیوں کو نثر میں کمال سلیقے سے برتا جائے تو نثر میں بھی ایسی شعری کشش پیدا ہو جاتی ہے جو نثرنگار کو ممتاز مقام سے ہمکنار کرتی ہے۔

اس ضمن میں تلمیحات، تشبیہات، استعارات اور دیگر صنائع بدائع کا بے تکلُّف استعمال ہے۔ کیونکہ پُر تکلّف استعمال سے تحریر بوجھل ہو جاتی ہے۔ تلمیح، مختصر لفظوں سے کسی آیت، حدیث یا تاریخی واقعے کی طرف اشارہ کرنے کو کہتے ہیں۔ ماہنامہ نعت کے اکثر و بیشتر اداریے تلمیحات کے خوبصورت استعمال سے مُزیّن ہیں۔

"خالق نے پہلی ہستی تخلیق کی تو اس کی نعت کہی۔ جبرئیلؑ نے عرش پر ایک نام لکھا پایا تو اس کی مدح و ثنا میں زبان کھولی۔ ابو البشرؑ نے منعوتِ ازلی کا واسطہ دیا تو اُن کی توبہ قبول ہوئی۔ نبیوں نے نبی الانبیاء علیہ التحیتہ والثناء پر ایمان لانے کا وعدہ کیا تو بات بڑھی۔ انبیاء و رسلؑ ایک ہستی کے آنے کی خبر دیتے رہے کہ اسی پر مامور تھے....."۔ (فروری ۱۹۹۴ء)

تشبیہات و استعارات کے حُسنِ استعمال کی مثالیں بھی ان اداریوں میں جگہ جگہ مل جاتی ہیں جو تحریر کو چار چاند لگا دیتی ہیں:

"تعاوُن کی راہیں مسدود اور مخاصمتوں کی زبانیں بگٹٹ ہیں، لیکن یہ قدم رُکنے

کے نہیں"۔ (اپریل ۱۹۸۸ء)

"جن کے من کے پیڑ کی آبیاری محبت کے حیات بخش پانی سے ہوئی ہے، انہیں ذرا جھنجھوڑیں اور دیکھیں ---- جوشِ ارادت کے اتنے پھل گریں گے کہ دھرتی کو ڈھانپ لیں گے۔ علائقِ نفس کی غنیم فوجیں جذبات کی پاکیزگی سے شکست کھا جائیں گی"۔ (اکتوبر ۱۹۸۸ء)

انتخابِ الفاظ اور شوکتِ تراکیب کا ذکر نہ کرنا، غیر مناسب ہو گا:

"کوئی شخص سرمایہ و ثروت کے بل بوتے پر وہاں جانے کا مدّعی ہے تو جھوٹا ہے، دیارِ اُنس و وفا میں حاضری کا تو ذریعہ یہ ہے کہ بُلاوا آ جائے یا حاضری کی امنگوں کو قبولیت کا خلعت عطا ہو۔ اس قریۂ محبت میں حاضری بھی نظرِ کرم سے ہوتی ہے....."۔ (جنوری ۱۹۹۷ء)

تجسیم (Personification) کے عمل سے بھی مدیرِ نعت نے اپنے اداریوں میں ادبی شان پیدا کی ہے۔

"میں آج کل پھر دار القرار کی جانب نگراں ہوں، توسنِ خیال تو خیر ہر وقت اس سرزمینِ محبت کے لیے پابہ رکاب رہتا ہی ہے۔ جی چاہتا ہے رخشِ عمر بھی منزلِ مقصود ہی پر جا کر تھمے ......"۔ (ستمبر ۱۹۹۳ء)

یہ عملِ تجسیم ہی ہے جس کے باعث ان اداریوں میں تاریخ کہتی ہے، علم بولتا ہے، وجدان پکارتا ہے اور احساس گویا ہوتا ہے۔

تحریر میں ادبی نکھار پیدا کرنے کے لئے استفہام کا گُر بھی بہت آزمودہ ہے۔ استفہام استخباری (مقصد سوال پوچھنا ہی ہو) ہو یا انکاری (نفی مقصود ہو) یا اقراری (بظاہر سوال، دراصل اقرار کرنا) ہر ایک کا معتدل اور برمحل استعمال تحریر کو فنّی بلندیوں تک لے جاتا ہے۔ مشاہیر میں غالبؔ اور اقبالؔ نے اِس حربے سے بہت خوبصورت کام لیا ہے۔ راجا رشید محمود صاحب کے اداریوں میں بھی استفہام کا حربہ جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔

"ہمیں ذوقِ شعر و سخن ودیعت ہُوا ہے تو سرکار (ﷺ) کی مدح و ثنا میں رطب اللسان کیوں نہ ہوں۔ زبان ملی ہے تو آقا حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے گُن کیوں نہ گائیں۔ ذوقِ سماعت نصیب ہُوا ہے تو اسے ان ﷺ کی باتیں اور ان ﷺ سے متعلق باتیں

سننے کے لئے مختص کیوں نہ کر دیا جائے۔ اور پاؤں ہیں تو ان سے محبت کی راہ میں کیوں نہ چلیں؟ عقیدتوں کے سفر پر کیوں نہ گامزن ہوں، درود پاک کے سائے میں متحرک کیوں نہ دکھائی دیں، نعت کے جِلو میں سفر کیوں نہ کریں؟" (مارچ ۱۹۹۲ء)

نثر میں ایسی ایسی شعری کاریگریاں دکھانے کا نتیجہ جو نکلنا چاہیئے تھا، نکلا، چنانچہ ان کے اداریئے بعض جگہ "نثری نظم" محسوس ہوتے ہیں۔ ذرا اس کا نمونہ بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔

"ذکر ایک شہر کا۔ جس میں داخلہ امن کی ضمانت ہے۔ جہاں اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں۔ جہاں دراصل ترپن برس اس ہستی کا گھر رہا، جن کا گھر ہر مومن کے دل میں ہے۔ جہاں کے ایک سیاہ پوش مکان میں نصب ایک کالے پتھر کا لمس لبوں کے ذریعے روح و جاں تک روشنیوں سے مستنیر کرتا ہے۔ جہاں ایک بزرگ کے نقوشِ پا کی جگہ کو مقامِ صلوٰۃ، ایک ماں کی مضطربانہ بھاگ دوڑ کے مقامات کو شعائر اللہ، ایک معصوم کی ایڑیوں کی رگڑ سے جاری ہونے والے پانی کو آبِ شفا، اور محبوب کی تنہائیوں کے محافظ مقام کو خلوتِ نور ٹھہرایا گیا۔ شہر جو یہاں سے ہجرت کرنے والی ہستی کو پسند تھا۔۔۔ تذکرہ دوسرے شہر کا۔ جو محبتوں کا امین ہے، عقیدتوں کا مرکز و محور ہے۔ جو ایثار و اخلاص کی سرزمین پر آباد ہے۔ جہاں پہنچ کر انسان کا رُواں رُواں شدت عجز و ارادت سے سجدہ کناں ہو جاتا ہے۔ جہاں سے بٹنے والی خیرات پر کائنات پلتی ہے۔ شہر، جو ہجرت کرانے والی ہستی کو بہت پسند تھا۔ جو ہجرت کرنے والی ہستی کا شہر کہلایا۔ امن اور اطمینان چاہتے ہو، تو بس یہی دو جگہیں ہیں، ۔۔۔ صرف!!"۔ (نومبر، دسمبر ۱۹۹۲ء)

شعری حربوں کے نثر میں استعمال کا گر اس وقت، اپنے عروج (Climex) سے ہمکنار ہوتا ہے جب پورے کا پورا اداریہ باقاعدہ آزاد نظم کی ہیئت میں ہمارے سامنے آتا ہے:

"وہ سراپا نور ہیں
نورِ یقیں، نورِ خدا
اور، ۔۔۔،
سایۂ قدِ دلآویز و دلآرا و حسیں

ڈھونڈتی پائی گئی چشمِ فلک
لیکن نہ پایا آج تک
دیکھا قدِ دلجوئے شہ ﷺ جن جاں نثار اصحابؓ نے
وہ جو کہ تھے
اربابِ علم و دانش و تقویٰ و فہم
ان کی نظر
اٹھتی نہیں دیکھی کسی نے بے محابا چہرۂ نوریں کی سمت
جوشِ الفت تھا مگر حسنِ عقیدت کی نظر کب لینے دیتی جائزہ
تفصیل سے سرکار ﷺ کا
بس اس لیئے کی ہیں فقط دو چار چھ باتیں بیاں
حسنِ سراپائے رسول اللہ ﷺ کی
(ان پر مرے ماں باپ، مال، اولاد، جاں سب کچھ فدا)
جزئیات میں جانا کسی کے واسطے ممکن نہ تھا
اصحابؓ سرکار جہاں ﷺ صد مرحبا! جوشِ عقیدت حبذا!!"۔ (اکتوبر ۱۹۹۲ء)

مندرجہ بالا شواہد کے بعد یہ دعویٰ بعید از حقیقت نہیں کہ ماہنامہ نعت کے اداریوں کے اُسلوب اور فکر پر قرآنی اور شعری اثرات واضح ہیں۔ ادبی چاشنی اور دینی فکر کے تار و پود سے تشکیل پانے والے یہ اداریئے مدیر کی ادبی اُپج کے آئینہ دار ہیں۔ ادب میں یقیناً ایک رفیع و وقیع مقام کے حامل ہیں۔

خلیل جبران سے لے کر واصف علی واصف تک نثری کاوشیں جن جن خوبصورتیوں کی آئینہ دار ہیں بفضلہٖ سب ان اداریوں میں موجود ہیں۔ ان اداریوں کے بعض فقرے تو "اقوالِ زریں" کا مقام و مرتبہ رکھتے ہیں اور یقیناً اس قابل ہیں کہ انھیں آبِ زر سے لکھا جائے، حرزِ جاں بنا لیا جائے اور چار دانگ عالم میں ان کی تشہیر کی جائے:

"آئینۂ دل کو جِلا ملے، شعور جذبوں کی آنچ میں جلنے لگے تو وارداتِ دل کا اظہار ہوتا ہے ۔۔۔ نعت ہوتی ہے"۔

"مدینۃ الرسول ﷺ سرزمینِ محبت ہے"۔

"محسن اعظم ﷺ کو لاکھوں سلام کرنا ہمارا فرض ہے..... سلام تو سانس کی آمد و شد سے متعلق ہے۔ زندگی کے تمام لمحات پر محیط ہے"۔

"غلامی سرکار ﷺ ہی آزادی ہے۔ اصلی اور مکمل آزادی"۔

"نیند اور موت دونوں ایسی صورتیں ہیں جن میں آدمی کسی کام کا نہیں رہتا"۔

"ظلمت گھمبیر ہو جاتی ہے تو طلعتیں ضیا فگن ہونے لگتی ہیں"۔

"آلام معانقے کو لپکیں تو طمانینت سے مصافحے کی خواہش ابھرے گی"۔

"اپنے شاندار ماضی سے بے تعلق رہ کر ہم کب تک زندہ رہیں گے"۔

"ہر گزرتا ہوا لمحہ، ہر آنے والے لمحے سے مختلف ہوتا ہے"۔

"وجدان و شعور میں مقصد کے اجالے ضو فگن ہوں تو ماحول کے اندھیارے اور گمراہی کی راتیں کچھ نہیں بگاڑتیں"۔

"الجھے ہوئے دماغ، پتھرائی ہوئی آنکھیں، نڈھال قویٰ، بے حس ضمیر، خوابیدہ دل اور مُردہ روحیں ہر حقیقت سے صرفِ نظر کرتی ہیں"۔ (مختلف شمارے)

حیرت ہے کہ اس قدر منزلت کے اداریئے کچھ عرصے کے لئے تعطل کا بھی شکار رہے۔ خصوصاً ۱۹۹۷ء کا سال سب سے کم اداریوں کا حامل ہے۔ ضرورت ہے کہ نور و نکہت کا یہ سلسلہ ہر ماہ بغیر تعطل کے، جاری رہے۔

آخر میں اداریوں کے حوالے سے اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے ایک اشکال کی طرف اشارہ بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ خبر نہیں یہ میری کم فہمی ہے یا مدیرِ محترم کی توجہ اس طرف نہیں گئی۔

اکتوبر ۱۹۸۹ء کے شمارے میں درود و سلام کی اہمیت پر اداریہ لکھا گیا ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے:

"درودِ پاک تو اللہ تعالیٰ کی ہاں میں ہاں ملانے کا نام ہے۔ اس طرح میں اور آپ اپنی تمام تر خامیوں، غلطیوں اور گناہوں کے باوجود اللہ کریم اور اس کے فرشتوں کے ہم زبان ہونے کا شرف حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ شرف کوئی معمولی شرف ہے؟ بندے کے لئے یہ مقام کم ہے کہ وہ اسی کام میں لگ جائے جس میں اس کا خالق و مالک مصروف ہو ---، اور، یہ کام وہ اس کے حکم کی تعمیل میں کر رہا ہو۔ وہ کتنا عظیم کام ہو گا جس میں خالق اور

مخلوق، معبود اور عابد، سب مشغول ہوں۔ ہم ایسے خاطیوں اور عصیاں شعاروں کو سورہ احزاب نے کیا راہ سجھا دی ہے! آقا حضور ﷺ کے حوالے سے قربِ خداوندی کا یہ کیا "شارٹ کٹ" ہے۔ نہ اس سے بڑا کوئی مقام ہے، نہ اس بڑے مقام تک پہنچنے کا اِس سے آسان کوئی ذریعہ ہے۔ لیکن خداوند قدوس و کریم نے اپنے اور بندے کے درمیان ایک فاصلہ یوں رکھا ہے کہ بندہ اگر بندہ ہے تو صرف درود پر اکتفا نہیں کرے گا، اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والصلوٰۃ والسلام کو سلام بھی کرے گا --- اور سلام بھی ایسے، جیسے سلام کرنے کا حق ہے --- تو کیوں نہ ہم اللہ کی ہم زبانی کی عظمت بھی حاصل کر لیں اور تعمیلِ حکم کی سرخروئی بھی --- درود و سلام کو شعار کر کے۔ درود بھی اور سلام بھی۔ یا اللہ! ہمارے سرکار ﷺ پر اتنی بار درود و سلام ہو جتنی بار آج تک درود یا درود و سلام بھیجا گیا اور آئندہ بھیجا جائے گا!"

اس اداریئے میں شائبہ ہوتا ہے کہ درود تو خدا اور بندوں میں مشترکہ فعل ہے جبکہ سلام صرف بندوں سے مخصوص ہے۔ "خداوندِ قدوس نے اپنے اور بندے کے درمیان ایک فاصلہ یوں رکھا ہے" کے الفاظ راقم کے شائبے کو پروان چڑھانے کا باعث ہوئے ہیں۔ اسی قسم کی بات مدیرِ محترم نے جنوری ۱۹۸۹ء کے شمارے میں بھی کہی تھی:

"کون کس کو سلام کرتا ہے، اِلّا یہ کہ کسی پر کسی کے احسانات شمار سے باہر ہوں، اور اسے اس کا احساس بھی ہو۔ جسے ایمان ملا، اس کی زندگی کا ہر لمحہ ایک ہستی کا مرہونِ منت ہے، اس ہستی کے انعامات پر دالّ ہے۔ اسی لئے ایمان کی دولت پانے والوں پر سلام واجب کر دیا گیا ہے۔ محسنِ اعظم ﷺ کو لاکھوں سلام پیش کرنا ہمارا فرض ہے۔ "لاکھوں سلام" تو ایک استعارہ ہے، جانِ رحمت پر اَن گنت سلام کا ایک استعارہ --- یہ سلام تو سانس کی آمد و شد سے متعلق ہے، زندگی کے تمام لمحات پر محیط ہے۔ ہم ہیں تو سلام کی حالت میں رہیں گے۔ درود میں تو خدا اور اس کے فرشتے بھی شریک ہیں، بلکہ پہل کرتے ہیں۔ لیکن سلام خالصتاً" مسلمانوں کا شیوہ ہے، ان کا تخصص ہے، ان کا اعزاز ہے۔ ایمان رکھتے ہو تو جاءُوک کی شان والی ہستی کو سلام کرنا ہو گا۔ اللہ کو مانتے ہو تو جن کی جان کی قسم وہ کھائے، ان کے حضور سرِ تسلیم جھکانا اور ہاتھ اٹھا کر انہیں سلام کرنا ہو گا۔ جس کی کمر کسی کے احسانات کے بوجھ سے جھکی پڑی ہو، وہ فرشی سلام کرتا ہے، کیسے جاتا ہے۔ دل

و جان سے محبوبِ خالق ﷺ کی عظمتوں کو ماننا سَلِّمُوا تَسْلِیْمًا پر عمل کرنا ہے۔ یہ سَلِّمُوا تَسْلِیْمًا کی کیفیتوں کا سرور نہ ہو تو، سلِّموا تسلیما کے حکم پر چلنا ممکن نہیں ہوتا۔ اور اللہ کے حکم پر عمل نہ کریں تو کافر ہو جائیں!"۔ (جنوری ۱۹۸۹ء)

یہاں "سلام" کو خالصتاً" مسلمانوں کا شیوہ لکھا گیا ہے۔ اور اس کی تخصیص بھی انھی سے منسوب کی گئی ہے۔ غالباً" یہ خیال لفظ سلام اور "سر تسلیم جھکانا" کے اشتقاقی پہلوؤں سے پیدا ہُوا ہو گا۔ ورنہ راقم الحروف کے خیال میں اللہ کریم اپنے حبیبِ کریم ﷺ پر درود بھی بھیجتا ہے اور سلام بھی۔ اس نے مختلف انبیاً پر نام لے لے کر سلام بھیجا ہے اور ایک جگہ "وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ" بھی فرمایا ہے۔ اس میں ہمارے پیارے آقا ﷺ بھی شامل ہیں لہٰذا سلام بھی قرآنِ پاک سے ثابت ہے۔ نیز معراج کے حوالے سے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ" کی روایت بھی اسی نظریے کو ثابت کرتی ہے۔

لگے ہاتھوں ایک اور قسم اشکال کا بھی بیان ہو جائے۔ ایک آدھ شمارے کا اداریہ شمارے کے موضوع (مخصوص نمبر) سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ اداریئے میں بیان کیئے گئے واقعات و حقائق اِس قدر ذاتی ہیں کہ جب تک قاری کو ان کا پس منظر نہ بتایا جائے، وہ کچھ سمجھ نہیں سکتا۔ ایسے مواقع پر قاری کی ضرورت کا بھی خیال کیا جانا چاہیئے مثلاً

جنوری ۱۹۹۴ء کا شمارہ "محمد حسین فقیر کی نعت" ہے۔ اس کا اداریہ دیکھئے:

"وہ مجھ پر ناراض ہوا۔ اُس نے مجھے بُرا بھلا کہا۔ اس نے میرے عقیدے کے خلاف لکھا، اس نے مجھے بدعتی گردانا۔ وہ اپنے عمل سے میرا دل دُکھانے کا اہتمام کرتا رہا۔ میں اگر اس کے خلاف قلم اٹھاتا تو اسے جارحانہ کارروائی نہ کہا جاسکتا، کہ پہل اس نے کی تھی۔ میں اس کے خلاف رویہ رکھتا تو اس کا اظہار کر سکتا تھا، کیونکہ اپنے تعصّبات و تأثرات کو رواداری کی رِدا میں لپیٹنے کی صلاحیت سے عاری ہوں، منافقت اور مداہنت میری عملی ڈکشنری کے الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن اپنے اس دشمن کے خلاف تو میں کچھ سوچ بھی نہیں سکتا۔ وہ مجھ سے تو ناراض ہے، مجھے تو بُرا بھلا کہتا ہے، مجھے بدعتی سمجھتا ہے، میرے حق میں تو نہیں ہے۔ لیکن میرے سرکار ﷺ کا نام لیوا ہے، سرزمینِ محبت سے عقیدت رکھتا ہے، درود و سلام کا مبلغ ہے۔ مجھے بُرا سمجھنے اور کہنے والا میری تعریف کا ہدف ہے۔ کیونکہ میرے ممدوح، میرے خالق و مالک کے ممدوح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) مجھ سے

ناراض اس شخص کے بھی ممدوح ہیں۔ ممدوح و محبوب، مجازی ہو تو رقابت پیدا ہوتی ہے۔ ممدوح و محبوب، حقیقی ہو، محبوبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا ہوں، تو محبت پیدا ہوتی ہے۔ مجھے محمد حسین فقیر سے محبت ہے!"۔ (جنوری ۱۹۹۴ء)

سارا اداریہ پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ شاید کہیں محمد حسین فقیر کی کسی بات پر راجا صاحب سے اَن بَن ہو گئی تھی لیکن اس کے جذبۂ عشقِ رسول ﷺ سے متاثر ہو کر اس کا کلام شائع کیا جا رہا ہے لیکن ایک صفحہ چھوڑ کر اسی شمارے میں یہ حقیقت پڑھنے کو ملتی ہے کہ

"... محمد حسین فقیر کا زیرِ طبع مجموعہ... آج سے سوا سو سال پہلے (۱۲۹۱ھ) میں طبع ہوا..."۔

اسے کہتے ہیں 'لو جی کر لو تماشا!! تو وہ کون ہے؟ جس سے ناراضی ہوئی' کیا ہوئی' کیوں ہوئی؟ --- اگر یہ معلومات "ٹاپ سیکرٹ" ہیں' انھیں عام قاری تک پہنچانے کی ضرورت نہیں تو پھر انہیں اداریئے کا موضوع کیوں بنایا گیا؟؟ بہر حال ان ایک دو مقاماتِ مُبہم کے علاوہ ہر اداریہ دینی ادب میں خوبصورت اضافہ ہے۔ دینی و ادبی رسائل کے اداریوں میں ماہنامہ نعت کے اداریئے ہمیشہ قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جائیں گے۔ ان کی فکر عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کے ایمان کو تازہ کرے گی' اس کا قرآنی اسلوب دلوں کو گرماتا رہے گا' اس کی شعری خصوصیات ادب کے ماتھے کا جھومر بنی رہیں گی' اس کا انداز مستقبل کے دینی خصوصاً" نعتیہ رسائل کو رہنما نور فراہم کرتا رہے گا۔ اللہ جلّ مجدہٗ کے حضور دعا ہے کہ وہ اپنے محبوبِ کریم ﷺ کے اِس غلام کی کاوشیں قبول فرمائے اور ان کے علم میں' عمر میں' عمل میں اور فیوض و برکات میں ہمیشہ اپنی رحمتیں شاملِ حال رکھے' آمین!

جی چاہتا ہے کہ اس مضمون کا اختتام مدیرِ ماہنامہ نعت کے اُس اداریئے پر کیا جائے جو جملہ فکری و فنی خصوصیات کا حامل ہونے کے باعث راقم الحروف کو خصوصیت سے پسند ہے:

"جذبے زبان کا کام دینے لگیں تو بات بنتی ہے۔ بات کر کے یا ذکر سُن کر، آنکھیں بھیگ بھیگ جائیں تو خامے کو روشنائی ملتی ہے۔ دل رفعتوں اور بڑائیوں سے تأثر قبول کرنے لگیں تو پسیجتے ہیں' اعصاب ہجر کے احساس سے چٹخنے یا وصل کی ساعتوں میں ٹھکنے لگیں تو مزرعِ سخن میں فصل اُگتی ہے۔ ذکرِ محبوب یا ذکرِ شہرِ محبوب ساعتوں میں رس

گھولنے لگے تو مُرغِ تخیل اونچی پرواز کرنے لگتا ہے۔ نگاہیں دیدارِ کوچۂ محبوب سے مستفید و مستنیر ہو جائیں، یا چشمِ تصور عکسِ دیارِ رحمت کے ذریعے وہاں تک رسا کر دے تو آنکھیں روشنیاں اُبلنے لگتی ہیں۔ قلم مدحت و ثنا میں سر بُہم ہو تو حرف و لفظ سرفراز ہوتے ہیں۔ زبان ہمہ وقت ایک ہی آفاقی نغمہ گائے تو اپنی ہستی کا جواز ثابت کرتی ہے۔ اور، عظمتیں ذہن و احساس پر پرفشاں ہوں، محبتیں دلوں کو موم کر ڈالیں، رحمتیں روحوں کو احاطے میں لے لیں، زندگیاں احسان کے بوجھ تلے امتنان کی زبان بولنا چاہیں، دلوں کے دریچے کھل جائیں، سحابِ کرم کھل کر برسے اور جذبوں کی فصل سر اٹھالے۔۔۔ اور قلم و زبان حسنِ تخلیق پر تل جائیں تو نعت ہوتی ہے!"

سازِ دل کے تاروں کا پیہم ارتعاش

تحریر: خواجہ رضی حیدر
(ڈپٹی ڈائریکٹر، قائد اعظمؒ اکادمی، کراچی)

نعتِ پاک حضور ﷺ کے حوالے سے گزشتہ بیس پچیس سال کے دوران جن افراد کو خصوصی شہرت و عزت حاصل ہوئی ہے، ان میں راجا رشید محمود کا نام شاید سب سے زیادہ معتبر اور وقیع ہے۔ انھوں نے شاعر، نثر نگار، محقق اور مدیر کی حیثیت میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ اگرچہ وہ بنیادی طور پر شاعر ہیں لیکن تقریباً بیس سال اُدھر انھوں نے تحقیق کے شعبہ میں "اقبالؒ و احمد رضاؒ" "اقبالؒ، قائدِ اعظمؒ اور پاکستان" "قائدِ اعظمؒ افکار و کردار" اور "تحریکِ ہجرت" جیسی اہم کتابیں تصنیف کر کے اہلِ علم سے زبردست خراجِ تحسین حاصل کیا۔ ان کتابوں کی اشاعت سے قبل ان کی نعتیہ شاعری کا پہلا مجموعہ "وَرَفَعنَا لَکَ ذِکرَک" ۱۳۹۷ھ میں شائع ہو چکا تھا۔ عجیب بات ہے کہ ۱۳۹۷ھ "ورفعنا لک ذکرک" کا سال تھا اور "ورفعنا لک ذکرک" کے عدد بھی ۱۳۹۷ھ ہیں۔ گویا یہ اسی آیتِ کریمہ کا فیض تھا کہ نعتِ پاک رسول اللہ ﷺ ہی راجا رشید محمود کی منزل قرار پائی اور انھوں نے گزشتہ پندرہ بیس سال کے دوران نعتِ پاک کے حوالے سے اِس قدر تحقیقی اور تخلیقی کام کیا کہ جس کی مثال تاریخِ اسلام میں محال ہے۔

راجا رشید محمودؔ نے اپنی تمام تر فکری اور تخلیقی توانائیوں کو نعتِ پاک کی ترویج و اشاعت میں صَرف کر دیا ہے اور اِس حوالے سے اب تک اُن کی تقریباً پچیس کتابیں شائع ہو چکی ہیں جبکہ جنوری ۱۹۸۸ سے وہ پابندی کے ساتھ لاہور سے ماہنامہ "نعت" نکال رہے ہیں۔ جس کا ہر شمارہ اپنی جگہ خود ایک کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس اعتبار سے راجا رشید محمود کا نام اور کام دونوں ہی اہلِ علم میں محترم اور معزز ہیں۔ انھوں نے اپنی نثری تخلیقات سے یہ ثبوت فراہم کیا ہے کہ شعر گوئی کے ساتھ نثر نگاری میں بھی ان کو مہارتِ تامہ حاصل ہے۔ یعنی جس طرح بحیثیتِ شاعر وہ زود گو ہیں، اسی طرح بحیثیتِ نثر نگار بھی وہ زود نویس ہیں۔ عموماً زود نویس نثر نگاروں کے ساتھ یہ قباحت ہوتی ہے کہ وہ صاحبِ طرز نہیں ہوتے مگر راجا رشید محمود نے اپنا ایک اُسلوب وضع کر لیا ہے۔ ایسا

اُسلوب جو اُن کی زود نویسی کو سجاتا اور سنوارتا رہتا ہے۔ خصوصاً "ماہنامہ نعت کے اداریے اپنا ایک منفرد اسلوب و آہنگ رکھتے ہیں۔ ان اداریوں میں راجا رشید محمود کے اندر موجود شاعر جو رسول اللہ ﷺ سے نسبت و تعلق کا داعی ہے، اپنی روح کے تمام ترگداز اور احساس کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور اپنے قاری سے اس طرح کلام کرتا ہے کہ آسمانی آواز کی گونج سماعت کے راستے قلوب کی کدورتوں کو دور کرتی ہوئی رِقّت کو کچھ اس طرح فروغ دیتی ہے کہ جسم کا رُواں رُواں اللہ اکبر اور درود شریف کی عظمت و برکت کا اقرار کرنے لگتا ہے۔

جب ایک قلمکار کے ہاں یہ ایقان پیدا ہو جائے کہ وہ جو کچھ لکھ رہا ہے اور جو کچھ کہہ رہا ہے وہ کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے تو اس پر انہماک و استغراق اور اعتماد و اعتبار کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ راجا رشید محمودؔ نے اس ایقان کو پالیا ہے اس لئے سچائی ان کے وظیفۂ تخلیق کا اسمِ اعظم قرار پا گئی ہے۔ وہ جو کچھ بھی لکھتے ہیں، اس میں ان کی روح کی شائستگی، عقیدت اور پاکیزگی ایک تاثیری حسن پیدا کر دیتی ہے۔ ایک ایسا تاثیری حُسن جو دعا سے التجا اور التجا سے دعا کا قالب بدلتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راجا رشید محمود کے اداریوں کا اسلوب دعا اور التجا کے مدار ہی میں گردش کرتا ہے۔

دراصل ایک قلمکار کے پاس سوائے اس کے اسلوب کے، جو اس کے احساسِ بے پایاں اور ارتباطِ روحانی کا آئینہ دار ہوتا ہے، اس کا اپنا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ صدیوں سے زیرِ قلم آنے والے الفاظ کو اسلوب ہی باہم اس طرح جوڑتا اور مجتمع کرتا ہے کہ وہ الفاظ قلمکار کی شناخت بن جاتے ہیں۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جاذبِ نظر اسلوب وہی قرار پاتا ہے جو واضح ہو اور اپنے موضوع کی اہمیت پر حاوی آنے کے بجائے موضوع کی اہمیت اور افادیت کو مؤثر طور پر اجاگر کرے۔ ماہنامہ "نعت" کے اداریوں کو پڑھ کر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ راجا رشید محمود اپنے موضوع کی اہمیت و نزاکت سے مکمل طور پر واقف ہیں چنانچہ عقیدت و احترام کی چھاؤں میں الفاظ کے پھول وہ اس طرح بکھیرتے ہیں کہ اگر کہیں کسی کی گستاخی کے حوالے سے ان کا قلم ترچھا ہوا بھی ہے یا صریرِ خامہ سے جوشِ غضب ٹپکا بھی ہے تو یوں کہ عشق و عقیدت کے پہلو میں حکمت و دانائی اس غضب کے جواز کا اعلان کرتی رہتی ہیں۔

راجا رشید محمود کو ہر وہ شخص عزیز ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں مدح سرا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ان غیر مسلموں کی بھی تعظیم کے قائل ہیں جو اُن کے آقا و مولا ﷺ کی تعریف و تحسین میں نعتِ پاک لکھتے رہے ہیں۔ جیسا کہ ایک اداریے میں راجا رشید محمود نے لکھا ہے کہ "ہم تو کلمہ گو ہیں۔ حضور ﷺ سے محبت ہمارے ایمان کی بنیاد ہے۔ حضور ﷺ کی تعریف ہمارا فریضہ ہے۔ اور کسی غیر مسلم پر ایسی کوئی پابندی نہیں!۔ پھر بھی وہ آقا حضور ﷺ کی مدح میں رطب اللسان ہے، تو وہ ہم سے بڑا ہے۔ بہت بڑا ہے۔"

یہ رواداری اور اُنس اسی وقت کسی مسلمان کے ہاں پیدا ہو سکتا ہے جب وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرتِ پاک سے نہ صرف مکمل آگاہی رکھتا ہو بلکہ اس کے اندر اس سیرت پر چلنے کا حوصلہ اور توفیق بھی ہو۔ راجا رشید محمود نے اپنی قلمرو میں سیرتِ پاک کو رائج کر لیا ہے چنانچہ ان کی تحریروں میں دلآزاری نہیں بلکہ دردمندی اور درگزر موجود ہے۔ وہ ایسی زبان لکھتے ہیں جو نہ صرف کوثر و تسنیم میں دُھلی ہوئی ہے بلکہ موضوع اور مقصد دونوں کا حق بھی ادا کرتی ہے۔ الفاظ کے دروبست اور جملوں کی کاٹ اور بہاؤ سے اسلوب ساخت نہیں ہوتا بلکہ اسلوب قلمکار کی فکر کا تابع ہوتا ہے۔ پھر جہاں فکر سیرتِ پاکِ محبوبِ خدا ﷺ سے ملحق ہو، وہاں اسلوب خود بخود آفاقی ہو جاتا ہے۔ راجا رشید محمود کی فکر مصطفائی ﷺ نظامِ اخلاق کی پابند ہے، اس لیے ان کی تحریر میں روحانی کشادگی اور فیاضی چہرہ نمایاں کرتی ہے۔

راجا رشید محمود کے ہاں فکری ارتباط کی اس قدر فراوانی ہے کہ ان کے اکثر اداریے نثری نظم اور انشائیے دکھائی دیتے ہیں۔ یعنی یہ اداریے اپنے اُسلوبِ معنوی میں شاعری کے ہم پلہ ہیں۔ ان اداریوں میں جمود و انجماد نہیں بلکہ تحریک اور بہاؤ ہے۔ نمو اور بالیدگی ہے۔ جدید مذہبی حسّیت اور عشقِ سرکارِ دوعالم ﷺ کا وفور و ظہور ہے۔ یہ اداریے اپنی معنویت میں بے ماجرا نہیں بلکہ تعلّق و نسبت سے پیدا ہونے والی دائمی روحانی کیفیت کے شارح اور ترجمان ہیں۔ ان اداریوں میں سازِ دل کے تاروں کا پیہم ارتعاش اور ایک ایسا سرمدی احساس پوشیدہ ہے جو اپنے اظہار کے لیے نت نئے زاویے اور پیرہن تراشتا اور تلاشتا رہتا ہے۔ یہ اداریے جہاں عشق اور احترام کا حسین امتزاج

ہیں، وہاں مسلمانوں میں موجود بے سکونی اور بے حضوری کے خلاف صدائے احتجاج ہیں۔ ان اداریوں میں راجا رشید محمود ان نعمتوں اور برکتوں پر سجدۂ شکر ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں جو سرکارِ دو عالم ﷺ سے نسبت و تعلق کے طفیل ان کی تقدیر ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ اداریے جب کتابی صورت میں شائع ہوں گے تو ان کی معنویت اور موضوعی وسعت پڑھنے والوں پر اپنی تفہیم کے نئے گوشے وا کردے گی۔

اور اب آخر میں ایک اپنی بات --- اور وہ یہ کہ راجا رشید محمود مدح خوانِ محمدِ عربی ﷺ ہیں اور میں ان کا ایک ادنیٰ سا نام لیوا۔ یہ بخدا میرا ناز ہے لیکن اس لمحۂ ملامت کا ایک سیلِ تند مجھے گھیر لیتا ہے جب میں راجا رشید محمود سے اپنے تعلق پر غور کرنے کے بعد اپنی حقیقت پر غور کرتا ہوں۔ کاش راجا رشید محمود کے لکھے ہوئے لفظوں کے صدقے میں مجھے بھی توصیفِ محمد ﷺ کی توفیق عطا ہو جائے۔ میرے اندر بھی رحمت کا کوئی دریچہ کھل جائے اور میں اپنے ماں باپ کے ساتھ مغفرت پانے والوں میں شمار ہو سکوں۔ --- راجا رشید محمود کے صاحبزادگان برادرم اظہر محمود اور اختر محمود نعت کے سفر میں ان کے ہمراہی ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک نبیِ آخرالزمان حضرت محمدِ مصطفیٰ ﷺ کے صدقے میں مجھ سمیت راجا رشید محمود کے تمام احباب و اعزہ اور قارئین کو سعادت آثار اور فرمانبردار اولاد سے نوازے کہ اچھی اولاد کو والدین کے حق میں صدقۂ جاریہ کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ راجا رشید محمود کی عمر، توفیقات اور درجات میں مزید برکت و وسعت عطا کرے تاکہ وہ تادیر نعت پاک کی ترویج و اشاعت میں منہمک رہ کر حقِ امت ادا کرتے رہیں۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔

شہرِ نور کا دروازہ

تحریر: پروفیسر محمد اکرم رضا
(گورنمنٹ کالج، گوجرانوالا)

راجا رشید محمود

اس سعید بخت شخصیت کا نام ہے جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق و عقیدت کا رشتہ استوار کیا تو قلم کی نوک سے نعتوں کا گلاب پھوٹنے لگے۔ شاعری کا چراغ جلایا تو اس کی ضو سے بے شمار تاریک دل منور ہو گئے۔ ربِ کریم کو ان کی مدحت نگاری پر اتنا پیار آیا کہ ان کی نعتیہ شاعری کو دلوں کو وجد میں لانے والا آہنگ اور ان کی فکرِ بصیرت نواز کو تاریخِ نعت کی زینت عظیم نعت گو شعرا کا محبت آفریں رنگ عطا کیا۔ ان کی شاعری کے ستارے حضور رسالتماب ﷺ کے انوارِ لازوال سے تابناکی لے کر یوں منور ہوئے کہ عصرِ حاضر کے مادیت زدہ اذہان کو سلطانِ مدینہ ﷺ سے وارفتگی و شیفتگی کی تب و تاب بخش گئے۔ جہاں سخن گوئی کے حوالے سے ان کی شاعری معیارِ فن ٹھہری، وہاں خدائے کریم نے انہیں شہرتِ عام عطا کرکے ان کے کلام کو بقائے دوام بخشنے کا سامان مہیا کر دیا۔

یہی راجا رشید محمود جب نثر کے خشک اور بنجر صحرا میں آئے تو یہاں بھی محبتِ رسول ﷺ کے نام پر تحقیق و جستجو اور فکر انگیزی کا گلستان کھلا دیا۔ دو قومی نظریۂ اسلام سے انمٹ وفاداری ان کا جزوِ ایمان ہے۔ یہی دو قومی نظریۂ اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بخشے ہوئے اسلامی تشخص کا حاصل ہے۔ یہی نظریاتی پختگی راجا رشید محمود کا اعزاز بھی بنی اور بزمِ سخنوراں میں ان کی نثرنگاری کے حوالے سے وجہِ ناز بھی قرار پائی۔ اس نظریاتی سرفرازی نے رسول اللہ ﷺ سے ان کی محبت کو مزید استواری اور پائیداری بخش دی اور اسی کی بدولت یہ شاعری کے ساتھ ساتھ نثر کو ذریعۂ اظہار بنا کر ممدوحِ دو عالم ﷺ سے اپنے فکری اور روحانی تعلق کو پائندہ تر کرنے لگے۔

راجا رشید محمود محبتِ سرورِ کونین ﷺ کے حوالے سے ہر لمحہ نئے جزیروں کی دریافت میں مصروف نظر آتے ہیں۔ دریافت کے اس سفر میں عشقِ رسول ﷺ

ان کا راہنما، ارادوں کی استقامت ان کا زادِ راہ اور رحمتِ خداوندی ان کا اعزازِ سفر ہوتی ہے۔ یہ نو دریافت شدہ جزیرے ان کے وہ مختلف اسالیب ہیں جن کو وسیلۂ اظہار بنا کر یہ منزلِ حبِ سرکار ﷺ کی جانب مسلسل محوِ سفر رہے ہیں۔ ماہنامہ نعت کا اجرا بھی ان کے عملِ صالح کی پختگی کی روشن دلیل ہے۔ برِصغیر پاک و ہند کے حوالے سے دیکھیں یا اردو زبان کے حوالے سے، اس حقیقت میں کوئی کلام نہیں کہ ماہنامہ نعت کے اجرا سے لے کر اب تک انھوں نے کئی برسوں پر محیط جو طویل سفرِ نور طے کیا ہے، اس کی کہیں بھی کسی دور میں بھی نظیر نہیں ملتی۔ ماہنامہ نعت کا یہ طویل سفر جہاں اپنی مثال آپ ہے، وہاں اس کا یہ اعزاز بجائے خود سرمایۂ فخر ہے کہ اس کی ہر اشاعت اپنی جگہ ایک منفرد موضوع پر تحقیق و جستجو کا سامانِ صد رنگ لیے ہوتی ہے۔

ماہنامہ نعت کی ایک اہم خصوصیت راجا رشید محمود کے قلم سے نکلے ہوئے وہ اداریے ہیں جو اختصار اور جامعیت کی منہ بولتی تصویر نظر آتے ہیں۔ ابلاغ کا اتنا حسن کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ چند سطور پر مشتمل اداریہ مگر ہر سطر قاری سے فکری ہمکلامی کے ذریعے بہت کچھ کہتی ہوئی۔۔۔۔۔

حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کی نسبت سے تو بے جان لفظ بھی شرکتِ گویائی سے ہمکنار جاتے ہیں۔ آپ ﷺ سے والہانہ محبت بلبلِ بے پر کو ذوقِ پرواز اور نالۂ خام کو حیات آفرینی کی تاثیر عطا کر دیتی ہے اور پھر جہاں قلم نامور اہلِ قلم راجا رشید محمود کا ہو تو پھر لفظوں کو الفتِ شاہِ مدینہ ﷺ کی خوشبو سے مہکنے کا قرینہ کیونکر عطا نہ ہو گا۔

یہ اداریے اختصار نویسی کی خوبصورت مثال اور قابلِ فخر روایت ہیں۔ بولتے ہوئے جملے۔ قاری سے ہمکلام ہوتے ہوئے لفظ۔ ان مختصر مختصر اداریوں سے راجا رشید محمود نے ثابت کر دیا ہے کہ ہر لفظ کار آمد اور ہنگامہ خیز ہے۔ فقط اس لفظ کو محلِ استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ موتیوں کی مالاؤں جیسے جملے تخلیق کر کے رشید محمود کا قلم یقیناً" روحانی آسودگی سے ہمکنار ہوتا ہو گا۔ مختصر نویسی کے شاہکار یہ اداریے قاری کو یہ پیغام دیتے محسوس ہوتے ہیں کہ

تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

سادگی، سلاست، صحتِ زبان و بیان، جملوں کی بے ساختگی، فقط چند جملوں میں منظر کشی کی خوبصورت مثالیں، الفاظ کا شکوہ، فکر کی وارفتگی، ذہنِ رسا کی جولانیاں، جملوں کی سبک خرامی کہ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ فقرات ہوا کے دوش پر پرواز کرتے ہوئے خوشبو کی مانند قاری کی فکرِ پاکیزہ کو اپنی گرفت میں لے رہے ہیں۔ ابلاغ و اختصار کی ایسی مثالیں کم ہی دیکھنے میں آئی ہیں۔

رسالہ نقوش کے بانی محمد طفیل مرحوم نے یک صفحی اداریوں کا سلسلہ شروع کیا تو بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم نے انھیں محمد نقوش کہ کر مخاطب کیا اور محمد طفیل مرحوم عمر بھر اپنے اداریوں کے نیچے فخر سے محمد نقوش ہی لکھتے رہے۔ اس تناظر میں جب ہم راجا رشید محمود کے منفرد اداریوں کا طویل سلسلہ دیکھتے ہیں تو بے اختیار انہیں محمودِ نعت کہنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ لقب کوئی غیر موزوں بھی نہیں ہے کیونکہ کاروانِ نعت کے اِس عظیم حَدی خواں نے شاہراہِ نعت پر اس تیزی اور اس شان سے لازوال نقوش ثبت کیے ہیں کہ ذہن کی جولانیاں بے اختیار داد و تحسین کے پھول ان کی نذر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ حقیقی داد و تحسین کا منظر تو میدانِ محشر میں ہی دیکھنے والا ہو گا مگر عصرِ حاضر کے ہنگامِ محشر میں راجا رشید محمود یقیناً نعت کے نخلستانِ رحمت سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ ماہنامہ نعت کا تواتر سے شائع ہونا، منفرد نعت گوئی کا انداز، تذکارِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے زبان و قلم کی یکساں مصروفیت، یہ سب محمودِ نعت کے مقبولِ بارگاہ حضور ﷺ ہونے کے اشارے ہیں جو ہم سے نیازمندوں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ عطا کر رہے ہیں۔

یہ کتنا انشراح حقیقت ہے کہ یہ اداریے انشائیے ہیں۔ انشائے لطیف کے ایسے دلکش نمونے ہیں کہ بے اختیار محمودِ نعت کے خامۂ نعت رقم پر پیار آنے لگتا ہے۔ ان اداریوں کو علیحدہ علیحدہ پڑھا تو اور تاثر تھا مگر جب ایک تسلسل سے ان کا مطالعہ کیا تو فکرِ صد رنگ کا ایک نور آفریں ایوان سجا ہوا نظر آیا۔ جس طرح ماہنامہ نعت کا ہر شمارہ اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتا ہے اسی طرح راجا رشید محمود کے قلم سے نکلا ہوا ہر اداریہ اختصار و جامعیت کی حسین تصویر نظر آتا ہے۔ فصاحت اور بلاغت دونوں کا حسن جدا جدا ہے اور دونوں ہی اپنے اپنے مقام پر سجتی ہیں۔ ان اداراتی تحریروں میں بلاغت فی الواقع فصاحت پر سبقت لے جاتی نظر آتی ہے۔ اب ہم چند اقتباسات پیش کرنا چاہیں گے۔ اس انتخاب میں

ہماری کسی شعوری کوشش کا دخل نہیں ہے کیونکہ شعور کا اشہب تو ایک ہی اداریئے کی جولاں گاہ میں رُک کر آگے جانے کا نام ہی نہیں لیتا۔ مدینۂ طیبہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"مدینۂ طیبہ کی کشش روحوں کے لیے ہے۔ طائرِ روح قفسِ جسد میں ہو یا اس قید سے رہائی پا چکا ہو، اس کے لیے جائے قرار یہی ہے۔ یہاں کی مقناطیسیت کے اثر سے وہ آزاد نہیں ہو سکتا۔ روح قیدی کی صورت میں وہاں پہنچے تو جسم کو اس سرزمینِ محبت کا قیدی بنا دیتی ہے"۔

اب تو راجا رشید محمود زائرِ مدینہ ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہو چکے ہیں۔ محبتِ حضور ﷺ کے حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"محبوب کی انگلی اٹھی، محبِ حقیقی نے سینۂ قمر میں لکیر ڈال دی۔ کسی نے مٹھی میں کنکریاں بھریں، کسی نے کھینچ ماریں۔ چاہے جانے والے نے بات کی اور چاہنے والے نے کہا، میری بات ہے۔ صاحبِ اختیار محب نے کسی کو غنی کیا تو اس عمل میں محبوب کو شامل گردانا۔ محبوب کو کسی نے اذیت دی، محب نے اذیت محسوس کی"۔

ناموسِ رسالت کے پاسداروں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا انداز دیکھیے:

"ناموسِ رسالت کے محافظ وقت پر حکمران تھے۔ دلیری ان کے قدم چومتی رہی۔ دنیا حیران ہوئی کہ ان سے پہلے جان لینے اور جان دینے کا عمل اتنا معمولی کب تھا۔ قصرِ تاریخ کے کھنڈرات کو شاتمیت کے بھوتوں کا مدفن بنا کر خوشی سے دار پر جھول جانے والے انسانیت کا ناز ہیں، ملت کا سرمایہ ہیں۔ اللہ کے محبوب ہیں۔ ان کے ذکر میں جھک جانے والے سر کہیں نہیں جھکتے"۔

نعتِ سرورِ کونین ﷺ کے حوالے سے ایک مختصر اداریہ سے مختصر سا اقتباس پیش خدمت ہے:

"ہم ہاتھ رکھتے ہیں تو اس سے نعت کیوں نہ لکھیں۔ ہم آنکھیں رکھتے ہیں تو ان میں گنبدِ اخضر کو دیکھنے کی تمناؤں کو پروان کیوں نہ

چڑھائیں۔ اور جب یہ حسرتیں پوری ہوں تو آنکھیں بند رہیں یا کھلی ہوں، ان میں یادِ طیبہ کے جلوؤں کا نقش کندہ کیوں نہ ہو جائے۔ ہمیں ذوقِ شعر ودیعت ہوا ہے تو سرکار ﷺ کی ثنا میں رطب اللساں کیوں نہ ہوں۔ ذوقِ سماعت نصیب ہوا ہے تو اسے ان کی باتیں اور ان سے متعلق باتیں سننے کے لیے مختص کیوں نہ کر دیا جائے"۔

نعت کی جلوہ کاری کی ایک جھلک مدیرِ ماہنامہ نعت کے قلم سے دیکھیے:

"عظمتیں ذہن و احساس پر پرفشاں ہوں، محبتیں دلوں کو موم کر ڈالیں، رحمتیں روحوں کو احاطے میں لے لیں، زندگیاں احسان کے بوجھ تلے امتنان کی زبان بولنا چاہیں، دلوں کے دریچے کھل جائیں، سحابِ کرم کھل کر برسے اور جذبوں کی فصل سر اٹھا لے۔ اور قلم و زبان حسنِ تخلیق پر تل جائیں تو نعت ہوتی ہے"۔

حضور سرورِ کونین ﷺ سے نسبت ہر صاحبِ ایمان کا افتخار ہے۔ محبِ رسول خدا اپنے محبوب سے نسبت اور وابستگی کے تصوّر سے آباد اور دلشاد رہتا ہے۔ اسی نسبتِ مصطفیٰ ﷺ کا تذکرہ ایک اداریہ میں دیکھیے:

"نسبتیں محترم اس وقت ہوتی ہیں جب وہ بڑے لوگوں سے ہوں۔ اور جب اس نسبت کا حوالہ سامنے آئے جو خالق و مالک کے بعد سب سے بڑی ہستی ہے تو نسبت کتنی وقیع ہو گی، حوالہ کتنا بڑا ہو گا۔ ذکر کتنا متبرک ہو گا۔ نسبت حضورِ پُرنور ﷺ کے پائے اقدس سے ہو تو جُوتا لائقِ صد تکریم ہو جاتا ہے، فرازِ عرش پر چمکتا دمکتا دکھائی دیتا ہے"۔

ماہنامہ نعت کا آغاز حمد نمبر سے ہوا تھا اور پھر خدا کی رحمت کے سہارے کاروانِ نور جس شان اور والہانہ پن سے روانہ ہوا، اس کی تب و تاب میں ایک لحظہ کے لیے بھی کمی واقع نہیں ہوئی۔ مدیرِ نعت راجا رشید محمود حمدِ خداوندی سے نعتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی جانب کس طور محوِ سفر ہوتے ہیں، اس کا اندازہ لگانے کے لیے اوّلین اداریہ سے

ہماری کسی شعوری کوشش کا دخل نہیں ہے کیونکہ شعور کا اشب تو ایک ہی اداریے کی جولاں گاہ میں رُک کر آگے جانے کا نام ہی نہیں لیتا۔ مدینہ طیبہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"مدینہ طیبہ کی کشش روحوں کے لیے ہے۔ طائرِ روح قفسِ جسد میں ہو یا اس قید سے رہائی پا چکا ہو، اس کے لیے جائے قرار یہی ہے۔ یہاں کی مقناطیسیت کے اثر سے وہ آزاد نہیں ہو سکتا۔ روح قیدی کی صورت میں وہاں پہنچے تو جسم کو اس سرزمینِ محبت کا قیدی بنا دیتی ہے"۔

اب تو راجا رشید محمود زائرِ مدینہ ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہو چکے ہیں۔ محبتِ حضور ﷺ کے حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"محبوب کی اُنگلی اٹھی، محبِ حقیقی نے سینۂ قمر میں لکیر ڈال دی۔ کسی نے مٹھی میں کنکریاں بھریں، کسی نے کھینچ ماریں۔ چاہے جانے والے نے بات کی اور چاہنے والے نے کہا، میری بات ہے۔ صاحبِ اختیار محب نے کسی کو غنی کیا تو اس عمل میں محبوب کو شامل گردانا۔ محبوب کو کسی نے اذیت دی، محب نے اذیت محسوس کی"

ناموسِ رسالت کے پاسداروں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا انداز دیکھیے:

"ناموسِ رسالت کے محافظ وقت پر حکمران تھے۔ دلیری ان کے قدم چومتی رہی۔ دنیا حیران ہوئی کہ ان سے پہلے جان لینے اور جان دینے کا عمل اتنا معمولی کب تھا۔ قصرِ تاریخ کے کھنڈرات کو شاتمیت کے بھوتوں کا مدفن بنا کر خوشی سے دار پر جھول جانے والے انسانیت کا ناز ہیں، ملت کا سرمایہ ہیں۔ اللہ کے محبوب ہیں۔ ان کے ذکر میں جھک جانے والے سر کہیں نہیں جھکتے"۔

نعتِ سرورِ کونین ﷺ کے حوالے سے ایک مختصر اداریہ سے مختصر سا اقتباس پیش خدمت ہے:

"ہم ہاتھ رکھتے ہیں تو اس سے نعت کیوں نہ لکھیں۔ ہم آنکھیں رکھتے ہیں تو ان میں گنبدِ اخضر کو دیکھنے کی تمناؤں کو پروان کیوں نہ

چڑھائیں۔ اور جب یہ حسرتیں پوری ہوں تو آنکھیں بند رہیں یا کھلی ہوں، ان میں یادِ طیبہ کے جلووں کا نقش کندہ کیوں نہ ہو جائے۔ ہمیں ذوقِ شعر ودیعت ہوا ہے تو سرکار ﷺ کی ثنا میں رطب اللساں کیوں نہ ہوں۔ ذوقِ سماعت نصیب ہوا ہے تو اسے ان کی باتیں اور ان سے متعلق باتیں سننے کے لیے مختص کیوں نہ کر دیا جائے"۔

نعت کی جلوہ کاری کی ایک جھلک مدیر ماہنامہ نعت کے قلم سے دیکھیے:

"عظمتیں ذہن و احساس پر پرفشاں ہوں، محبتیں دلوں کو موم کر ڈالیں، رحمتیں روحوں کو احاطے میں لے لیں، زندگیاں احسان کے بوجھ تلے امتنان کی زبان بولنا چاہیں، دلوں کے دریچے کھل جائیں، سحابِ کرم کھل کر برسے اور جذبوں کی فصل سرا اٹھا لے۔ اور قلم و زبان حُسنِ تخلیق پر تل جائیں تو نعت ہوتی ہے"۔

حضور سرورِ کونین ﷺ سے نسبت ہر صاحبِ ایمان کا افتخار ہے۔ محبِ رسولِ خدا اپنے محبوب سے نسبت اور وابستگی کے تصوّر سے آباد اور دلشاد رہتا ہے۔ اسی نسبتِ مصطفیٰ ﷺ کا تذکرہ ایک اداریہ میں دیکھیے:

"نسبتیں محترم اس وقت ہوتی ہیں جب وہ بڑے لوگوں سے ہوں۔ اور جب اس نسبت کا حوالہ سامنے آئے جو خالق و مالک کے بعد سب سے بڑی ہستی ہے تو نسبت کتنی وقیع ہو گی، حوالہ کتنا بڑا ہو گا۔ ذکر کتنا متبرک ہو گا۔ نسبت حضورِ پُرنور ﷺ کے پائے اقدس سے ہو تو جوتا لائقِ صد تکریم ہو جاتا ہے، فرازِ عرش پر چمکتا دمکتا دکھائی دیتا ہے"۔

ماہنامہ نعت کا آغاز حمد نمبر سے ہوا تھا اور پھر خدا کی رحمت کے سہارے کاروانِ نور جس شان اور والہانہ پن سے روانہ ہوا، اس کی تب و تاب میں ایک لحظہ کے لیے بھی کمی واقع نہیں ہوئی۔ مدیرِ نعت راجا رشید محمود حمدِ خداوندی سے نعتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی جانب کس طور محوِ سفر ہوتے ہیں، اس کا اندازہ لگانے کے لیے اوّلین اداریہ سے

ایک اقتباس:

"ماہنامہ نعت کا پہلا شمارہ حمدِ باری تعالیٰ سے متعلق ہے کہ حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خالق و مالک جلّ شانہٗ کی تعریف و ثنا ہی سے آغاز ہونا چاہیے۔ مگر اس کی بنیاد کلمۂ توحید ہے اور کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ پر ختم نہیں ہوتا۔ محمد رسول اللہ پر تکمیل پذیر ہوتا ہے۔ اس لیے حمد وہی مقبول ہو گی جس میں خداوندِ قدوس و کریم کے محبوبِ پاک ﷺ کا ذکرِ پاک بھی ہو۔ چنانچہ زیرِ نظر شمارے میں حمد کے ساتھ نعت کی بات بھی ملے گی"۔

ہم اِن اداریوں میں سے کہاں تک اقتباسات دے سکتے ہیں۔ ہم نے بڑی مشکل سے ان اداریوں سے چند اقتباسات کا تذکرہ کیا ہے ورنہ یہ اداریے مختصر نویسی میں اس قدر اپنی مثال آپ ہیں کہ ابلاغ اپنی رفعتوں کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مختصر سے اداریے سے اقتباس کا انتخاب کس طور کریں کیونکہ یہ اداریے تو اپنی جگہ اعلیٰ انشا پردازی کے مظہر مضامین کے حسین اقتباسات نظر آتے ہیں۔

ان اداریوں میں نعت کے متعلق اسالیب اور موضوعات کی جھلک ملتی ہے۔ چونکہ ماہنامہ نعت کا ہر شمارہ موضوع کے لحاظ سے مکمل اشاعت اور اپنی جگہ مستقل حیثیت کا حامل ہے' اس لیے اِن اداریوں میں بھی عنوانات و افکارِ نعت کی رنگا رنگی ملے گی۔ اسالیبِ نعت' عنواناتِ مدحتِ مصطفیٰ ﷺ شہرِ رسولؐ کی جلوہ کاریاں' عشاقِ مصطفیٰ ﷺ کی جاں سپردگی کی ادائیں' مشاہیرِ نعت کی کاوشوں کی تب و تاب' اصنافِ مدحت نگاری کی چمک دمک' روضۂ حضور ﷺ کی عالمگیر جگمگاہٹ' عشق کی سرفرازیاں' فکر و علم کی تابانیاں' شعراءِ عصرِ حاضر کے لیے پیغام' شہیدانِ ناموسِ رسالت کو خراجِ عقیدت کا حُسنِ صد رنگ' رسول ﷺ نمبروں کا تعارف' صاحبِ کتاب نعت گووں کا ذکرِ جمیل' عظیم مگر زمانے کی نظروں سے اوجھل نعتیہ کتب اور نعت گو شعرا کی نظریاتی کاوشوں کی جھلملاہٹ' غرضیکہ یہ اداریے نعت کے حوالے سے اپنی جگہ ایک الگ تاریخی حوالے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مدیرِ نعت نے ایک موضوع پر کئی کئی شمارے پیش کیے ہیں۔ تواتر

سے پیش کیے گئے اِن شماروں کے اداریوں میں ایک دلآویز اور فکر آفریں تسلسل پایا جاتا ہے۔

راجا رشید محمود کا زرخیز ذہن نعت کے حوالے سے نئے سے نئے موضوعات کی تلاش میں مسلسل نامعلوم وادیوں کی جانب محوِ سفر ہے۔ ان کے اداریے اس زرخیز ذہن کہ جہاں میرے آقا و مولا ﷺ کی تجلّیات کی فراوانی ہے' کے عکاس ہیں۔ جب دل میں وفورِ نعت کی کیفیت ہوتی ہے تو یہ شہ پارے "نعت ہی نعت" کے عنوان سے بہارِ نعت کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ ماہنامہ نعت کا ہر اداریہ شہرِ نور کا وہ دروازہ ہے جس کی ایک جھلک ہی دیکھنے والے کو "باادب باملاحظہ ہوشیار" کا مترادف کر دیتی ہے۔ ہم اپنی تحریر کا اختتام ماہنامہ نعت کے ایک اداریہ کے اقتباس ہی سے کرنا چاہیں گے۔

"محافظانِ حرمتِ آقا و مولا (علیہ التحیۃ والثناء) نے نعت کے ارقام کی خواہش میں روشنائی کے طور پر اپنی رگوں سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ دیا تو گویا لاثانی خالق کے لاثانی محبوب (ﷺ) کی حقیقی نعت لکھنے کا اہتمام کیا۔ جانثارانِ حرمتِ سرکار (ﷺ) نے جس عدیم النظیر اسلوب میں یہ نعت رقم کی ہے' خداوندا! ہمیں بھی وہ اسلوب اپنانے کی توفیق عطا فرما"۔

یہ اقتباس ہے یا دعا۔ ہم سب کی جانب سے آمین' بجاہِ سیّد المرسلین (ﷺ)

نیاز حضور ناز

تحریر: پروفیسر محمد اقبال جاوید (گوجرانوالہ)

دورِ حاضر کی اردو، عربی کی بلاغت اور فارسی کی حلاوت سے کم و بیش محروم ہے، چنکتے ہوئے لفظ اور بولتے ہوئے جملے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں۔ تعلیم بڑھ گئی ہے اور علم گھٹ گیا ہے۔ چند ادبی اصطلاحات کا استعمال، نقد و نظر کی معراج سمجھا جا رہا ہے۔ خود نمائی خود پرستی تک آگئی ہے اور ہم

مصروف آپ اپنی پذیرائیوں میں ہیں

خود احتسابی کا شدید فُقدان ہے، علم و نظر کی حرمت، فرقہ بندیوں کی زد میں دم توڑ رہی ہے اور بصیرت سے محروم سائے، دانشوری کے تعاقب میں یوں بگٹٹ دوڑ رہے ہیں کہ

نَے ہاتھ باگ پر ہے، نہ پا ہے رکاب میں

قحط الرجال کے اس دورِ پر آشوب میں، صاحب فکر اور صاحب طرز لوگ ڈھونڈنا پڑتے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی ایسا قلم دکھائی دے جس کا علم، عمل کو آواز دے رہا ہو، جس کی تحریر میں رنگینیٔ ادا کے ساتھ ساتھ سوزِ دروں کی آنچ بھی ہو کہ اسی سے "حُسنِ فروغِ شمعِ سخن" عبارت ہے۔ تو ایسی مصفّٰی شخصیت اور ایسی مقفّٰی تحریر کو دیکھ کر وجدان پکار اٹھتا ہے کہ ابھی وہ بلند و برتر ذات ہم سے مایوس نہیں ہوئی جس نے انسان کو قلم کے وسیلے سے علم عطا کیا ہے۔ راجا رشید محمود کی دل گداز اور دل آویز نثر میرے ان خیالات کو مؤید ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی شخصیت کو وقار اور ان کی تحریر کو اعتبار، حضور ﷺ کی محبت اور مدحت نے عطا کیا ہے۔ نعت نگاری ہو یا رسالہ نعت کی ادارت، وہ ہر ہر مقام پر اُس ذاتِ گرامی قدر ﷺ کے جمالِ بے مثال کے پرتو سمیٹنے میں مصروف ہیں جو حُسنِ کائنات بھی ہے اور کائناتِ حسن بھی۔ جس کے تبسّم سے کلیاں چٹکنا سیکھتی اور جس کے خرامِ ناز سے راستے مہک اٹھتے تھے، جو نور میں سب سے اوّل اور ظہور میں سب سے آخر ہے۔ اور جس کے وجودِ ذی جُود کا فیض ہے کہ عرب کا ریگستان، دنیا بھر کو، علم و نظر اور

جذب و جنوں کی خوشبو بانٹتا چلا جا رہا ہے۔ یہی خوشبو، رسالہ نعت کے آنگن کو بھی مہکا رہی ہے اور اسی نے مدیرِ نعت کے قلم کو پُر بہار بنا رکھا ہے۔

ترے عکسوں پہ گویا آج بھی ہے دسترس میری
یہ جب شیشے میں آتے ہیں، مری تحریر بنتے ہیں

یہ راجا رشید محمود کا اعزاز بھی ہے اور ناز بھی۔

اداریہ بے عنوان ہو تو قاری اسے پڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت راجا رشید محمود کے اداریوں کی ہے۔ قاری انھیں ضرورتاً" اور مجبوراً" پڑھتا ہے تو قلم کا سحر اور فکر کا گداز اسے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے، اس کا ذوقِ سلیم جھوم جھوم کر اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ان بے عنوان اداریوں کا ایک ہی عنوان ہے۔

تجّیِ دل بند و راہِ مصطفیٰ ﷺ رَو

سوچ کے زاویے اور احساس کے انداز ہیں کہ بات سے بات بنتی، سنورتی اور نکھرتی چلی جاتی ہے۔ گو۔

بات بنانا مشکل سا ہے، شعر سبھی یاں کہتے ہیں

اداریے عموماً" ہنگامی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ ان میں وقتی واردات کا بیان ہوتا ہے یا زیرِ نظر اوراق کی ترتیب و تدوین کے بارے میں اجمالی تذکرہ۔ بسا اوقات نُدرتِ اظہار سے وقتی تحریروں کو بھی ایک دائمی جَبن مل جاتا ہے کہ "ادب ہنگامی واقعات کی روح کو دوامی انداز میں محفوظ کرنے کا نام ہے"۔ راجا رشید محمود کی یہ ادارتی تحریریں، ادب کے اس معیار کو حسن و خوبی کے ساتھ چھو رہی ہیں اور اس معیار پر چھا جانے کی صلاحیت بھی رکھتی ہیں، بشرطیکہ خلوص آمیز مشقت کے ساتھ مشقِ سخن جاری رہی۔ یہ اداریے ہنگامی ہوتے ہوئے بھی آفاقی ہیں اور ان کی تاب و تب بیک ساعت، گردشِ زمانہ اور عقدِ ثریا دونوں پر خندہ زن ہے۔ یہ بے خزاں، بہاروں کے امین ہیں کہ اپنے اندر اس ذاتِ گرامی قدر (ﷺ) کی شان کا بیان لیے ہوئے ہیں، جس کی تشریف آوری، زندگی کے خواب کی تعبیر، جس کی محبت، برہانِ ایمان اور جس کی اطاعت، قربِ حق کی

واضح دلیل ہے۔ جناب رشید محمود کے خوبصورت الفاظ میں

"جن ﷺ کے دم سے سانسوں کی آمد و شد کا نظام قائم ہوا' اگر ہماری ہر سانس اس حقیقت کا اعلان نہ کرتی ہو تو کتنی بڑی احسان فراموشی ہے۔۔۔"

۔۔۔۔ ہمیں ذوقِ شعر و سخن ودیعت ہوا ہے تو سرکار ﷺ کی مدح و ثنا میں رطب اللساں کیوں نہ ہوں۔

زبان ملی ہے تو آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گن کیوں نہ گائیں' ذوقِ سماعت نصیب ہوا ہے تو اسے ان کی باتیں اور ان سے متعلق باتیں سننے کے لیے مختص کیوں نہ کر دیا جائے۔

اور' پاؤں ہیں تو ان کی محبت کی راہ میں کیوں نہ چلیں' عقیدتوں کے سفر پر کیوں گامزن نہ ہوں' درودِ پاک کے سائے میں متحرک کیوں نہ دکھائی دیں' نعت کے جلو میں سفر کیوں نہ کریں"۔

حضور ﷺ کی محبت' جب راجا رشید محمود کے مختصر اداریوں میں جھلکتی ہے تو ان کے چھوٹے چھوٹے آسان آسان جملے' شعر و ادب اور جذب و شوق کے سانچے میں ڈھل کر سحرِ حلال بن جاتے ہیں اور نثری دنیا میں سہلِ ممتنع کی مثال لگتے ہیں۔ یہ اسی محبت کی دین ہے کہ ان کی تحریروں پر کبھی ادبِ لطیف کا گمان گزرتا ہے اور کبھی وہ نثری نعتیں محسوس ہوتی ہیں۔ ناقد تو یہی کہے گا کہ شاعرانہ ذوق اور جذبے کی حدت نے' انھیں صاحبِ طرز ادیب کے طور پر متعارف کرایا ہے' مگر میرے دل کی آواز یہ ہے کہ یہ محض اس عظیم الشان انسان ﷺ کا فیض ہے' جو صادق ہے اور جس کے قدموں تک پہنچنے سے صداقتوں کے خزانے مل جاتے ہیں' جس سے دوری' ابو الحکم کو ابو جہل بنا دیتی ہے۔ جو خود اُمّی ہے مگر ہر دور کے جملہ فصیحانِ تمرد خو' اس کے حضور میں دوزانو نظر آتے ہیں۔

حق یہ ہے کہ حسن جہاں بھی ہے' جس رنگ ڈھنگ اور آہنگ سے ہے' وہ گنبدِ خضرا سے چھلکنے والے انوار سے مستعار ہے۔ فیوض و برکات کے اس سچے اعتراف ہی میں سب کچھ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ "ہم اور میں" "تو" کے سانچے میں ڈھل جائیں۔ قدم قدم اور قلم قلم یہ احساس جاگے کہ یہ سراسر بارگاہِ ناز کی عطا ہے' اپنا افتخار

نہیں ہے۔ محسوسات کی اس چاندنی میں' اگر ہوس نے' چھپ کے بھی' کہیں کوئی تصویر بنا لی' تو یقین کیجیے کہ منزل برسوں دور ہو جائے گی۔ مدیرِ نعت کو' حضور سرورِ کونین ﷺ کی محبت کے طفیل جو کچھ ملا ہے' اس پر بجا طور پر ناز ہونا چاہیے مگر ضروری ہے کہ یہ ناز' سراپا نیاز رہے' انھیں جو کچھ ملے گا' یقین کیجیے اس پر تصوّر کی رعنائی بھی رشک کرتی رہے گی۔

میں یہ بات تعریف کے رنگ میں نہیں بلکہ تعارف کے طور پر لکھ رہا ہوں کہ اگر ماہنامہ "نعت" کا اجرا نہ ہوتا تو اردو ادب کی تاریخ' تحریر کی اس سحر آفرینی سے محروم رہتی۔ ان تحریروں سے نظریاتی اور مقصدی ادب میں ایک ایسا اضافہ ہوا ہے' جسے مستقبل کا کوئی سا اہلِ نظر بھی' نظر انداز نہ کر سکے گا۔ ان اداریوں کے بعض جملوں پر تو مصرعوں کا گمان گزرتا ہے۔ راجا رشید محمود کی یہ ایمائی تحریریں' قاری کو قائل کرنے کے ساتھ ساتھ گھائل بھی کرتی چلی جاتی ہیں' وہ ذہن سے کہیں زیادہ روح کو سرخوشی عطا کرتی ہیں۔ شعرِ منثور یا نثرِ مقفّی تو نقادوں کی اصطلاحیں ہیں' مجھے تو یوں لگتا ہے کہ راجا رشید محمود' خود قلم نہیں اٹھاتے بلکہ قلم خود انھیں مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کے ذریعے علم و نظر کے موتی لٹائیں' اور ان موتیوں کی چمک ہے کہ اس سے قاری کی نظر کو وسعت اور دل کو فرحت کی دولت ملتی چلی جاتی ہے۔ ان کا حرف حرف' دل کی انگشتری کا اسی لیے نگینہ بنتا چلا جاتا ہے کہ اس میں ان کے دل کا سوز' نگاہوں کی آرزو اور ہونٹوں کی تھرتھری' ایک کیف آفریں انداز سے لو دے رہی ہے۔ میری دعا ہے کہ وہ اسی طرح نغمے الاپتے رہیں۔ ان نغموں سے جب پھول بکھریں گے تو چننے والے خود چن لیں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر' بس گاتے ہی چلے جائیں۔ کیونکہ معرفت کی انتہا یہ ہے کہ انسان' کسی کی یاد میں خود کو بھول جائے۔

ترا خیال ہے' تیرا جمال ہے' تو ہے
مجھے یہ فرصتِ کاوش کہاں' کہ کیا ہوں میں

کتنے خوبصورت پیرائے میں رشید محمود لکھتے ہیں:

"لگن رکھنے والے نے فرمایا' ہم اتنا کچھ دیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے' اس نے محبوبِ ازلی (ﷺ) کی خواہش کو دیکھا تو قبلہ بدل دیا۔ "جدھر آپ کی

مرضی ہو، رُخ اسی طرف پھیرلیں"۔

خالق کو مخلوقِ اوّل کی رِضا مطلوب رہی ہے۔ مطلوب ہے اور مطلوب رہے گی۔ ہم بھی اسی راہ پر چلتے ہیں تو ہماری سمت راست ہے۔ ورنہ نہیں!"

تو مقصود اسی ذاتِ اقدس (ﷺ) کی رِضا ٹھہری، جس سے خدا راضی ہے۔ اس کے بعد کسی اور کو راضی کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

شاید اسی کا نام ہے توہینِ جستجو
منزل کی ہو تلاش، ترے نقشِ پا کے بعد

نعت درود و سلام ہی کی ایک نغماتی شکل ہے۔ اس کی توفیق نہ ہر قلم کو ملتی ہے، نہ ہر زبان کو۔

یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

کتنے ہی اہلِ قلم ہیں کہ اظہار و ادا کی خداداد قدرت کے باوجود اس نعمت سے محروم رہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ نصیب کی بات ہے اور کرم کے فیصلے ہیں کہ وہ کس کس کو اپنا ہم نوا بناتا ہے۔

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

درود و سلام جب بھی بھیجا جاتا ہے اور جس انداز سے بھی بھیجا جاتا ہے، وہ بارگاہِ ناز میں پہنچتا بھی ہے اور پہنچایا بھی جاتا ہے۔ اس تقدّس آفرین امانت کو پہنچانے والے بھی امین ہیں اور جن تک یہ امانت پہنچائی جاتی ہے، وہ بھی امین ہیں۔ حفیظ مرحوم نے فرمایا تھا۔

بصد اندازِ یکتائی، بغایت شانِ زیبائی
امیں بن کر، امانت آمنہؓ کی گود میں آئی

سو، راجا رشید محمود کی نعت نگاری، حضور ﷺ کی بارگاہِ پُرنور میں مسلسل پہنچ رہی ہے اور پہنچتی رہے گی، جب تک وہ دل کی دھڑکنوں، نگاہوں کی تمناؤں اور روح کی لرزشوں سے ہم آہنگ رہے گی۔ اب میں محترم راجا رشید محمود سے یہ استفسار کرنے میں حق بجانب ہوں کہ۔

اب اور کیا تجھے دلِ دیوانہ چاہیے؟

راجا نہیں، فقیرِ دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

تحریر: کلیم اللہ ملک (میانوالی)

لوگ محبوب کے ذکر سے قرار پاتے اور اس سے اپنی محبت کو تازگی بخشتے ہیں۔ عام سے عام محبوب بھی اپنے عاشق کی تخلیقی قوتوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جدائی کے لمحے، دیدار کی نعمتیں اور یاد و وصال کے سائے ہر لحاظ سے انسان کی سوچوں، تحریروں، اندازِ گفتگو اور فکر و خیال میں نُدرتیں بکھیرتے ہیں۔ اور پھر حبّذا وہ شخص، زہے اس کے نصیب جو نعتوں میں محبت کی اذانیں بلند کر کے قرارِ جاں کا نسخہ تلاش کرلے۔ جو ثنائے خواجہ ﷺ کو اپنی مغفرت کے مقصود کی طرح تحریر و بیان کرے۔ جس کی گرہ میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے بجز اور کوئی مال اور اثاثہ نہ ہو۔ جو اپنے ادب پر نہیں، توفیق پر نازاں ہو۔ اپنے ہُنر کے کمال و حُسن کے گیت نہ گاتا ہو بلکہ اپنے لفظ لفظ پر عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی چھاپ کو اپنی تحریر و فکر کی رفعتوں کا ذریعہ سمجھتا ہو۔ بلاشبہ اس وقت ایسا ہی ایک قلندر داتا کی نگری میں رہتا ہے جس کا نام راجا رشید محمود ہے۔ ماہنامہ نعت کے اداریوں کا اچھوتا اسلوب اور سیرتِ پاک کے پہلوؤں کی تخلیقی تشریح نے اسے اَمر بنا دیا ہے۔ لیکن وہ اس پر نازاں ہونے کے بجائے عجز و انکسار کے سائے میں اعتراف و التماس پیش کرتا ہے۔

خدا نے بخشی ہے توفیق نعت گوئی کی
خدا گواہ ہے، میرا کوئی کمال نہیں
ڈھلی ہے نعت مری دوسرے ہی سانچے میں
یہ ایک جذبہ ہے، جولانیٔ خیال نہیں

ماہنامہ نعت کے اداریے نسبتِ مصطفوی ﷺ کے اعلانیے اور عشق و محبت کے اظہاریے ہیں۔ ماہنامہ نعت کے اداریے دربارِ مصطفوی ﷺ میں گزاری ہوئی دلدوز و دلسوز درخواستیں ہیں جو راجا رشید محمود کے قلم کے ذریعے ان کے دل کے ٹکڑوں کی مانند کاغذ پر بکھر گئی ہیں۔ ان کے قلم، دل و دماغ اور فکر کی ہم آہنگی کا حسین امتزاج ملاحظہ فرمائیے۔

"نعت کا کوئی کام خوشنودیٔ سرکار (ﷺ) کے سوا کسی اور مقصد کے لیے کرنا جرم ہے، گناہ عظیم ہے ----- لعنت اُس شخص پر جس کا مقصودِ اصلی اِس معاملے میں ----- خوشنودیٔ سرکار ﷺ کے سوا کچھ اور ہوا"۔

راجا رشید محمود کا یہ انداز بھلا کسی اور کو کہیں میسر آ سکتا ہے۔ جس میں وراثت کا تحفظ اتباع کی شرط سے اگرچہ مشروط ہے لیکن محبتوں کی وسعتوں پر رحمتوں کا سایہ شفاعتوں کا باعث سمجھا جاتا ہے۔

"ہم وارثی ہوں یا نہ ہوں، لاوارث ہم میں سے کوئی بھی نہیں، جن کو رحمت و رافت کی ضرورت ہو تو دو ہستیاں رؤف و رحیم ملیں، جو اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو عفو و درگزر کی دولت سرا کا آسرا نہ کھوئیں۔ جو خالق و مالک سے محبت کے خواہش مند ہوں تو اتباع کا دروازہ کھلا پائیں اور اللہ کے محبوب ہو جائیں"۔

یہ اداریے نور کے پاکیزہ دریا کی طرح راجا کی قلم کی نوک کے چشمے سے پھوٹے جنھوں نے ان کے نصیب کے چمکانے کے ساتھ ساتھ قارئین کے قلب و نظر کی سیاہیاں بھی دھو دیں۔ ان اداریوں کے لفظ لفظ پر بہارِ مسلسل کا تسلط محسوس ہوتا ہے۔ اس اختصار میں قرآن، صاحبِ قرآن ﷺ، حرمِ مکی، حرمِ مدنی اور سرزمینِ عرب کی برکتیں اتنی وسعت سے پنہاں ہیں کہ ہر لفظ ایک دیوان کا عنوان بن گیا ہے۔ یہ دراصل عشقِ محمد ﷺ کی تجلی ہے۔ آقا ﷺ کی محبت کا معجزہ ہے۔ ان تحریروں میں سلطنتِ دل کی وہ جلالت فراواں ہے جس پر بادشاہی صاحبِ جمال، شہنشاہوں کے شہنشاہ آقائے دو جہاں ﷺ کی ہے۔ اس بہارِ جاں فزا نے مدیرِ نعت کی روح کو خوشیوں سے بھر کر مادی ضرورتوں سے بھی بے نیاز کر رکھا ہے ----- ان کے احساسات کا دریچہ اس طرح کھلتا ہے:

"عظمتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا احساس دماغوں پر حکمران ہوتا ہے، دلوں کو مٹھی میں لیتا ہے، تو نعت زبانوں پر آتی ہے۔ نعت شاعری ہی نہیں، شاعری سے ماورا بھی بہت کچھ ہے"۔ اس کی مزید

وضاحت دیکھیے:

"وجدان و شعور میں مقصد کے اجیالے ضوفگن ہوں تو ماحول کے اندھیرے اور گمراہی کی راہیں کچھ نہیں بگاڑتیں --- پھر یہ دیکھنا ہو گا کہ مقصد کتنا عظیم ہے اور ---- اگر وہ صرف مدحت و ثنائے سرکار (ﷺ) ہو تو اس سے بڑے مقصد کا تصوّر بھی کہیں ممکن ہے؟ اگر واقعی کسی کی زندگی کا یہی مقصد ہو ---- صرف یہی مقصد"۔

نعت گوئی اللہ کی طرف سے رسولِ کائنات محبوبِ خدا ﷺ کے ذکرِ بلند میں اپنی آواز کا آہنگ شامل کرنا ہوتا ہے۔ اس کے رنگوں میں قوسِ قزح کے جھرنے آنسوؤں سے نکھرتے ہیں۔ راجا غیر مسلم نعت گوؤں کے سامنے بھی دوزانو ہیں تو صاحبِ ایمان نعت گوؤں کے سامنے ان کا حال کیا ہو گا۔

"جو لوگ اسلام کے دائرے میں داخل نہیں ہوئے۔ وہ بھی پیغمبر ﷺ کی رفعتوں کو سلام کرتے ہیں۔ اور میرا سر تو ہر اس شخص کے آگے مستقلاً ختم سمجھو جو اپنا سر میرے سرکار ﷺ کی بارگاہ میں جھکاتا ہے۔ وہ کوئی بھی ہو۔ میں تو ایسے غیر مسلموں کا بھی نام لیوا ہوں اور رہوں گا۔ میرے اس رشتۂ نیاز کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ لیکن، غیر مسلموں کی اس مدحت سرائی کے دو پہلو ہیں۔ ہم تو کلمہ گو ہیں حضور ﷺ سے محبت ہمارے ایمان کی بنیاد ہے۔ حضور ﷺ کی تعریف ہمارا فریضہ ہے اور ---- کسی غیر مسلم پر ایسی کوئی پابندی نہیں! پھر بھی وہ آقا حضور ﷺ کی مدح میں رطب اللسان ہے تو وہ ہم سے بڑا ہے۔ بہت بڑا ہے!"

راجا رشید محمود تخلیقِ کائنات سے اب تک کے تمام نعت خوانوں کا حُدی خواں ہے۔ جس نے نعت کو قرطاس کے ذریعے دل کے کینوس پر منتقل کرنے کے لیے اپنی ساری عمر کھپا دی، ساری صلاحیتیں صرف کر ڈالیں۔ ماہنامہ نعت کا یہ راجا دربارِ مصطفیٰ

ﷺ میں عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کی قطار میں بہت نمایاں ہو گا کہ جسنے ایک بار درود پڑھا' اس کا بخت چمک اٹھا' اس کے دل و دماغ روشن ہو گئے۔

پھر اس کی قسمت کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے جس نے کبھی نعت کی ترتیب کے بغیر کوئی اور کام کیا ہی نہ ہو۔ جس نے دربارِ مصطفیٰ ﷺ میں پیش کی جانے والی گزارشات کی حاشیہ آرائی میں دل و دماغ صَرف کیے ہوں۔ جو اپنے وقت کا مصرف اپنی عرضیوں کو مؤثر بنانے پر صَرف کرتا ہو۔ اور سچی بات ہے راجا کو یہ توفیق اسی در سے ملی ہے ورنہ لوگ اپنا سب کچھ صَرف کرنے کے باوجود بھی یہ مقام حاصل نہیں کر سکتے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جذب زبان کا کام دینے لگیں تو بات بنتی ہے

بات کرکے یا ذکر سن کر، آنکھیں بھیگ بھیگ جائیں تو خامے کو روشنائی ملتی ہے

دل رفعتوں اور بڑائیوں سے تاثر قبول کرنے لگیں تو یہ سمجھتے ہیں

اعصاب، ہجر کے احساس سے چٹخنے یا وصل کی ساعتوں میں ہمکنے لگیں تو مزرعِ سخن میں فصل اُگتی ہے

ذکرِ محبوب یا ذکرِ شہرِ محبوب سماعتوں میں رس گھولنے لگے تو مرغِ تخئیل اونچی پرواز کرنے لگتا ہے

نگاہیں دیدارِ کوچۂ محبوب سے مُستفید و مُستنیر ہو جائیں، یا چشمِ تصوّر عکسِ دیارِ رحمت کے ذریعے وہاں تک رسا کردے تو آنکھیں روشنیاں اُبلنے لگتی ہیں

قلم مدحت و ثنا میں سرِ نگوں ہو تو حرف و لفظ سرفراز ہوتے ہیں

زبان ہمہ وقت ایک ہی آفاقی نغمہ گائے تو اپنی ہستی کا جواز ثابت کرتی ہے اور،

عظمتیں ذہن و احساس پر پرفشاں ہوں، محبتیں دلوں کو موم کر ڈالیں، رحمتیں روحوں کو احاطے میں لے لیں، زندگیاں احسان کے بوجھ تلے امتنان کی زبان بولنا چاہیں، دلوں کے دریچے کھل جائیں، سحابِ کرم کھل کر برسے اور جذبوں کی فصل بھرا اٹھائے — اور قلم و زبان حسنِ تخلیق پر تل جائیں تو نعت ہوتی ہے۔

بسم اللہ السمیع العلیم الرحمٰن الرحیم۔

خالق نے پہلی ہستی تخلیق کی تو اُس کی نعت کہی

جبرئیلؑ نے عرش پر ایک نام لکھا پایا تو اس کی مدح و ثنا میں زبان کھولی

ابوالبشرؑ نے منعوتِ ازلی کا واسطہ دیا تو اُن کی توبہ قبول ہوئی

نبیوں نے نبی الانبیا علیہ التحیۃ والثنا پر ایمان لانے کا وعدہ کیا تو بات بنی

انبیا و رسلؑ ایک ہستی کے آنے کی خبر دیتے رہے کہ اسی پر مامور تھے

حضور محبوبِ خالق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے قبل تبع اوّل حمیری نے، کعب بن لوّی نے نعت کہی

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد حضرت عبدالمطلبؓ نے، سیدہ آمنہؓ نے، پھر حضرت ابوطالبؓ نے مدحیہ شعر کہے

کیا انسان، کیا درخت، کیا پتھر، کیا جانور — سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بچپن، لڑکپن اور شباب میں دیکھنے اور ملنے والی ہر شے اُن کی عظمتوں کو سلام کرتی رہی

اعلانِ نبوت کے بعد، ایمان لانے، پاس بیٹھنے اور زیارت کرنے والوں نے منظوم و منثور مدح کی

جنھوں نے اب تک صرف ایمان کی نگاہ سے آقا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچانا ہے، وہ بھی مدّاح ہیں

آج تک ایمان لانے کی سعادت سے محروم رہنے والوں میں سے بھی بہت سے، مدحت میں تر زبان ہیں

اللہ نے جتنی دُنیائیں پیدا کیں، ان میں جو جو کچھ تخلیق کیا، کون ہے جو ان سب کے لیے رحمت بنا کر بھیجی جانے والی ہستی کی تعریف میں نواسنج نہ ہو

جو زبان رکھتے ہیں، زبان سے، اور جو زبان نہیں رکھتے، زبانِ حال سے نعت کہے جاتے ہیں

ہر کائنات میں نعت کا سکّہ جاری ہے،

فضاؤں میں نعت ہی نعت گونج رہی ہے!

نعت ہی نعت!!

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"ورفعنا لک ذکرک"

ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند کر دیا،
ہم نے آپ کو خوش کرنے کے لیے، آپ کے ذکر کو رفعت دی۔
یوں ذکرِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حوالے سے خالقِ حقیقی کا مقصود
خوشنودیٔ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔
"کانک قد خلقت کما تشاء" سے بھی حضرت حسان رضی اللہ عنہ یہی کہنا چاہتے
ہیں کہ حضور رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق میں بھی مرضی و خوشنودیٔ
سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کا دخل ہے۔
کنزِ مخفی کے ظاہر ہونے میں پنہاں راز بھی کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔
فلسوف یعطیک ربک فترضیٰ میں بھی رضائے مصطفیٰ
(علیہ التحیۃ والثناء) ہی کا غلغلہ ہے۔
خداوندِ قدوس و کریم جل و علا جو کچھ کر رہا ہے، رضا و منشا و
خوشنودیٔ محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے ــــ
تو ــــ اس بات کا کیا جواز ہے کہ میں یا آپ نعت کہیں
تو مقصد داد لینا ہو، نعت پڑھیں تو مراد پیسہ کمانا ہو، نعت سنیں
تو مطمحِ نظر اپنے آپ کو نمایاں ہو،
نعت کا کوئی کام خوشنودیٔ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوا کسی
اور مقصد کے لیے کرنا جرم ہے، گناہِ عظیم ہے۔
لعنت اُس شخص پر جس کا مقصودِ اصلی اس معاملے میں،
خوشنودیٔ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سوا کچھ اور ہو!!

جولائی ۱۹۹۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ناعت خالق ہو تو یہ اس کے کرم کا اظہار ہے، ناعت مخلوق ہو تو یہ اس کے
عجز کا شاہکار ہے
دبستانِ اسلام کے پڑھے ہوؤں کو تو ناعت رہنا ہی ہوتا ہے، وہ جن کی
تعلیم ضلالستانِ کفر میں ہوئی، ان میں سے کوئی اگر نورِ خداوندی کو جھانک لے
تو وہ بھی نعت کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے
اور، منعوت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو ان کے لیے بھی رحمت ہے، ان کے لیے بھی
وہ، جو بول سکنے اور دیکھ لینے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور نہیں کیے گئے،
وہ بھی رحمت سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں
اور، جو رحمت سے استفادہ کرتا ہے، وہ اپنے موجود حواس کے ذریعے
اس رحمت کی رسید دیتا ہے۔ جو حسیات اسے عطا کی گئی ہیں، وہ شکر و
امتنان کی زبان بولتی ہیں
رحمت سے نعت کا تعلق اتنا گہرا اور پائیدار ہے کہ اس سے فائدہ
اٹھانے والے تو ناعت ہوتے ہی ہیں، اس کا خالق بھی یہی کام کرتا ہے
جس ہستی نے اس ہستی کو "رحمۃ للعالمین" بنا کر بھیجنے کا
اعلان کیا، وہ بھی ناعت ہے
بلکہ وہی نعت کی موجد ہستی ہے
اسی نے قیامت تک اس صفت سے متصف ہونے والوں کو نعت
کے آداب سکھائے ہیں
ناعتو! جس کی سنت میں نعت کہتے ہو، نعت میں اسی کے
مضامین و موضوعات کی بھی پیروی کرو

جون ۱۹۹۵۔ نعت کیا ہے

باسمہٖ تعالیٰ

عظمتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا احساس دماغوں پر حکمران ہوتا ہے' دلوں کو مٹھی میں لیتا ہے تو نعت زبانوں پر آتی ہے

نعت شاعری ہی نہیں، شاعری سے ماورا بھی بہت کچھ ہے

جو شاعر نہیں ہیں' وہ بھی نعت کہتے ہیں۔ اللہ کریم جل شانہ العظیم شاعر نہیں لیکن پہلا نعت گو ہے۔ حضرت کعب بن لوی کا خطبۂ جمعہ اوزان و بحور کی قید سے آزاد رہ کر بولتا تھا لیکن وہ نعت تھا۔ جن لوگوں سے آج تک کوئی مصرع موزوں نہیں ہوا' وہ بھی آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں تر زبان ہوتے ہیں تو نعت کہتے ہیں

نعت قرطاس و قلم ہی کا اعزاز نہیں ہے' تیغ و تفنگ کے لہجے میں بھی بولتی ہے۔ حرمت و تقدیس نبوت کے محافظوں نے صفحۂ تاریخ پر اپنے خون سے جو نعت رقم کی ہے' اسے کون فراموش کر سکتا ہے

ارقامِ نعت میں روشنائی کے بجائے خون کا غیرت گروپ استعمال ہوتا ہے تو دلوں کے نگینوں پر توقیرِ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے انمٹ نقوش ثبت ہوتے ہیں

جب تک نعت کہنے والا' نعت پڑھنے والا' نعت سننے والا اپنے عمل کو خوشنودیٔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تابع نہیں رکھتا' جب تک ناموس سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تحفظ کا داعیہ نہیں رکھتا' جب تک روشنائی کا دائرہ اپنے خون تک نہیں کھینچتا اور اپنے خون کا تعلق غیرت و حمیت سے نہیں جوڑتا' وہ نام و نمود اور دنیوی فوائد کے حصول کی خاطر کوشاں ہے

اللہ کریم ہمیں نعت کے مقتضیات کو پورا کرنے سے سچی نعت کہنے کی راہ پر چلائے! آمین!!

مئی ۱۹۹۵ء۔ نعت کیا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نعت،

ایسا کام جس کی بنیاد ذوالجلال والاکرام نے ڈالی

مدحتِ محبوبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا سے بہتر کام ہو بھی کیا سکتا ہے!

مداحیٔ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی پہلی منظوم صورت تُبّعِ اوّل حمیری کا کلام ہے

حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اجداد میں سب سے پہلے نعت گو حضرت کعب بن لُوَی تھے

ولادتِ رحمتِ ہر عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فوراً بعد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے نعت کہی

میلاد کے ایک ماہ بعد سیّدہ آمنہ سلام اللہ علیہا نے مدحِ سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی

اعشیٰ میمون بن قیس پہلا غیر مسلم ہے جس نے نعتیہ قصیدہ کہا'

یثرب کے مدینہ کہلانے کے عمل میں بنو نجار کی بچیوں نے نعت گائی'

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ وہ عظیم نعت گو ہیں جنھوں نے سب سے پہلے سب سے زیادہ نعتیں کہیں

اور — ان بزرگوں کے تتبع میں اب تک اس عملِ خیر کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا

ازل سے ابد تک سپہرِ عشق و محبت پر نعت ہی نعت ضیا فگن دکھائی دے گی'

نعت ہی نعت!

اکتوبر ۱۹۹۳ء۔ نعت ہی نعت

باسمہٖ سُبحانہٗ تعالیٰ

دلوں کے کینوس بے داغ نہ ہوں تو سکینت مآب رنگوں کا امتزاج تصویرِ شعر نہیں بناتا

ارادت کے رنگا رنگ پھُول شعریت کے پیرہن میں اُس وقت ملبوس ہوتے ہیں جب اُن پر سحابِ اخلاص کا ترشّح ہو

یہ حُسنِ صَوت، ترتیبِ الفاظ، شکوہِ تراکیب اور سحرِ بیان کا کھیل نہیں، دل کی زبان میں خونِ جگر کی روشنائی سے عقیدت کی داستان رقم کرنے کا عمل ہے

مضرابِ عشق سے تارہائے رگِ جاں کو جُنبش نہ ہو، تو یہ سرمدی نغمہ نہیں چھڑتا

خاکِ پاکِ طیبۂ کریمہ قُرّۃ العینینِ اہلِ مُحبّت نہ ہو تو شعر پارہ جمالِ نورِ نبوّت سے مُستنیر کیونکر دکھائی دے گا

جذباتِ عشق کی بیکرانی کو محسوساتِ حُسن کی ہمہ گیری اپنی گرفت میں نہ لے تو قرطاس و قلم کی ہم آہنگی بامعنی نہیں ہوتی

کردار کی ندامتیں احساس کی آنکھوں سے آنسو بن کر نہ ٹپکیں تو نعت کا لہجہ گفتار کے ہاتھ نہیں آتا

خالقِ کائنات کے حوالے سے، عبدیت کے لحاظ کے ساتھ ساتھ، محبوبیت کا ادراک نہ ہو تو مقام متعیّن نہیں ہو سکتا اور مقام کی عظمت کا گہرا شعور نہ ہو تو نعت نہیں ہوتی

یہاں جمالِ صورت اور کمالِ سیرت کی اثر انگیزی اور اذہان و قلوب کی اثر پذیری لازم و ملزوم نہ ہوں تو محض الفاظ کی بازیگری بے فائدہ ہے

اور ــــ اگر نعت گوئی کا مقصدِ واحد آقا حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خوشنودی نہیں، تو سب بیکار ہے!!

اپریل ۱۹۹۵ـ نعت کیا ہے

ورفعنا لک ذکرک

(ہم نے آپ کا ذکر آپ کی خاطر بلند کر دیا)

ذکرِ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جیرجا جس مقصد کے لیے کرنے کا اعلان ہوا ہے اس کے بعد نعت کے سلسلے میں کوئی کام کسی اور مقصد کے لیے کیوں؟

نعت کہی گئی اچھا شاعر کہلوانے کے لیے، داد وصول کرنے کی خاطر، ذرائع ابلاغ اور سرکاری مشاعروں اور تقریبوں میں مالی منفعت کے لیے ــــ تو نعتیت کی سمت درست نہ رہی

نعت کے سلسلے میں بات کرتے ہوئے، انٹرویو دیتے وقت، صرف یہ مطمحِ نظر رہا کہ ایسے لوگوں کی تعریف کی جائے جن سے یافت کی امید ہو یا ان کی ناراضی سے نقصان کا خطرہ ہو، اور دیدہ دلیری سے نعت کے خادموں کو نظر انداز کیا گیا ــــ اور یوں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناراضی کو کوئی اہمیت نہ دی گئی تو آپ نعت کے ساتھ اور حضرتِ منعوت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مخلص کس طرح ٹھہرتے ہیں

نعت پڑھی گئی "خدمت" کرانے کے لیے، پیسے بٹورنے کو، ذات کو اجاگر کرنے کے مقصد سے، تو الیسوں کا حضرت کعب بن زُہیر رضی اللہ عنہ کے اخلاص و ایثار سے کیا رشتہ

اور، بے ایمانی کر کے، جھوٹ بول کر، جھوٹ چھاپ کر، پرانے مجموعۂ نعت کو نیا کہہ کر انعام حاصل کیا تو آپ کا مسلکِ حسّان رضی اللہ عنہ سے کیا تعلق رہ گیا ــــ اور نعت گوئی یا نعت خوانی کے حوالے سے آپ کی شہرت، کیا جہنّم کے فرشتوں سے آپ کو بچا لے گی۔

ستمبر ۱۹۹۵ـ نعت ہی نعت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جو شخص اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کا غلام ہے، وہی دراصل آزاد ہے۔
آزاد — خواہشات کی غلامی سے،
آزاد — رنج و غم کی گرفت سے،
آزاد — آلائشِ دنیا سے
آزاد — خوف و حزنِ آخرت سے، فکرِ عقبیٰ سے۔

جو فرد اُمنگوں کا غلام ہے اور دُنیا کی محبت کے پھندے میں پھنسا ہوا ہے، مفادات کا اسیر ہے اور نسل و زبان و رنگ کی حد بندیوں میں محبوس ہے، اپنی ذات میں گم ہے یا حرص و ہوا کے پنجرے میں مقید ہے یا حسد اور کینہ کی بریکٹ میں بند ہے، ———— وہ واقعی غلام ہے۔

غلام شیطنت کا، ہیولیٰ سیئات کا، بندہ خواہشات کا، اور پجاری رذائلِ اخلاق کے دیوتاؤں کا۔
ایسی غلامی لعنت ہے!

تو پھر، — آزاد بیکانیری کی طرح وہ غلامی کیوں نہ اختیار کریں جو سراپا آزادی ہو،
وہ غلامی جس کی خواہش دنیا بھر کے آزادوں کو ہے۔
ہر رنج و تعب سے آزادی، یہاں وہاں کی ہر فکر سے آزادی۔

غلامئ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہی آزادی ہے۔
اصلی اور مکمل آزادی۔
ایسا ہر آزاد زندہ باد!!

ستمبر ۱۹۹۰ء۔ آزاد بیکانیری کی نعت

بسم اللہ

وہ مجھ پر ناراض ہوا
اُس نے مجھے بُرا بھلا کہا
اُس نے میرے عقیدے کے خلاف لکھا اس نے مجھے بدعتی گردانا
وہ اپنے عمل سے میرا دل دُکھانے کا اہتمام کرتا رہا

میں اگر اس کے خلاف قلم اٹھاتا تو اسے جارحانہ کارروائی نہ کہا جا سکتا، کہ پہل اسی نے کی تھی
میں اس کے خلاف رویّہ رکھتا تو اس کا اظہار کر سکتا تھا، کیونکہ اپنے تعصّبات و تأثرات کو رواداری کی ردا میں لپیٹنے کی صلاحیت سے عاری ہوں، منافقت اور مداہنت میری عملی ڈکشنری کے الفاظ نہیں ہیں
لیکن اپنے اس دشمن کے خلاف تو میں کچھ سوچ بھی نہیں سکتا
وہ مجھ سے تو ناراض ہے، مجھے تو بُرا بھلا کہتا ہے، مجھے بدعتی سمجھتا ہے، میرے حق میں تو نہیں ہے — لیکن میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام لیوا ہے، سرزمینِ محبت سے عقیدت رکھتا ہے، درود و سلام کا مبلّغ ہے
مجھے بُرا سمجھنے اور کہنے والا میری تعریف کا ہدف ہے
کیونکہ میرے ممدوح، میرے خالق و مالک کے ممدوح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) مجھ سے ناراض اس شخص کے بھی ممدوح ہیں
ممدوح و محبوب، مجازی ہو تو رقابت پیدا ہوتی ہے
ممدوح و محبوب، حقیقی ہو، محبوبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء ہوں، تو محبت پیدا ہوتی ہے
مجھے محمد حسین فقیر سے محبت ہے!

جنوری ۱۹۹۴ء۔ محمد حسین فقیر کی نعت

باسمہٖ تعالیٰ

آسمانِ نعت میں بہت سے ستاروں کا وجود ہے
ستارے جو روشنی پیدا کرنے والے ہیں اور ستارے جو روشنی منعکس کرتے ہیں۔ ان میں بیشتر اتنے بڑے ہیں کہ شعر و سخن کی بہت سی زمینیں ان میں سے ایک ایک کے اندر سما سکتی ہیں

چرخِ نعت کا ہر ستارہ اپنی الگ حیثیت رکھتا ہے۔ آنکھ رکھنے والوں کو جتنے ستارے نظر آتے ہیں، باریک بینوں کو اس سے بہت زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ دل کی آنکھیں رکھنے والوں کو تو گلیکسیوں میں لاتعداد ستاروں کا علم بھی ہوتا ہے

گردونِ نعت کا ہر ستارہ اپنی جگہ ایک مستقل کائنات ہے۔ اس سے محبت کی روشنی پھوٹتی ہے، اس میں ارادت کا نور جھلکتا ہے، اس سے عقیدت کی خنکیاں مترشح ہوتی ہیں

ہر ستارے کی ہستی جس نظامِ رحمت کی بنیاد پر قائم ہے، اُس کے گُن گاتی ہے

اب ضرورت ہے کہ آسمانِ نعت کے جو درخشندہ ستارے تنقید کی نگاہوں کو خیرہ کرتے ہیں، ان کی توصیف میں زبان و قلم کو حرکت میں لایا جائے

ان میں سے ایک اختر، جو سب سے زیادہ چمکتا دمکتا نظر آتا ہے، زیرِ نظر اشاعت میں اس کی عظمت کو خراجِ تحسین پیش کرنا مطلوب ہے۔

مئی ۱۹۹۴۔ اختر الحامدی کی نعت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصرِ تاریخ کے شکستہ حصوں میں راجپال، شردھانند، یا لال مل، سلمان رُشدی اور ان جیسے دوسرے بھوت پریت ہونکتے بھونکتے دکھائی دیتے ہیں

اس مخلوق کا سلسلۂ نسب "حمالۃ الحطب" اور "بعد ذالک زنیم" کے کھنڈرات میں ملتا ہے

اس نسل کے پھیلے ہوئے ہونٹوں اور لٹکتی ہوئی زبانوں کا انقطاع تاریخ کے ہر دور کی اہم ضرورت رہی ہے

تاریخ کے ہر عہد اور قصرِ تاریخ کے ہر حصے کی یہ اہم ضرورت، وقت پر متصرف کسی شخص نے پوری کر دکھائی

جب بھی ایسا موقع آیا ــــ گویا جوانمردی اور جاں سپاری کا سورج بامِ قصر پر چمکا۔ جھروکوں سے جھانکنے والے چہروں پر حیرت و استعجاب کے نقوش گہرے ہوگئے۔ آس پڑوس کے باسیوں نے نعرہ ہائے تحسین بلند کیے۔ تھڑدلوں کی زبانیں گُنگ ہوگئیں، حوصلہ مندوں نے سینے تان لیے

ناموسِ رسالت کے محافظ وقت پر حکمران تھے، دلیری اُن کے قدم چومتی رہی۔ دُنیا حیران ہوئی ــــ کہ ان سے پہلے جان لینے اور جان دینے کا عمل اتنا معمولی کب تھا

قصرِ تاریخ کے کھنڈرات کو شاتمیت کے بھوتوں کا مدفن بنا کر خوشی سے دار پر جھول جانے والے ــــ انسانیت کا ناز ہیں، ملّت کا سرمایہ ہیں، اللہ کے محبوب ہیں۔

ان کے ذکر میں جھک جانے والے سر، کہیں نہیں جھکتے!!

فروری ۱۹۹۱۔ شہیدانِ ناموسِ رسالت

شہیدانِ ناموسِ رسالت!
شاتمانِ رسولؐ کے دشمن،
استقامت کے تراشے ہوئے پیکر،
ایمان کی تجسیم کے مکمل شاہکار،
جنھوں نے جذبوں کی ثقاہت کو دار کی کسوٹی پر کَس کے دیکھ لیا۔

شہیدانِ ناموسِ رسالت!
شماتتِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی کسی خبر سے جن کا رُواں رُواں سرکشیدہ نظر آیا،
انھوں نے ضروری کارروائی کی تو شماتت کی ہر جسارت سرنگوں ہوئی اور حفاظتِ حرمت کی کوشش سربلند ٹھہری!

شہیدانِ ناموسِ رسالت!
جن کے ایثار پیشہ سراپا میں وہ خون پایا گیا جس کا گروپ غیرت ہے
یہ خون ان کی رگوں میں دوڑتا پھرتا اس لیے رہا کہ کسی کام آئے،
غیرت گروپ کا یہ خون پہلے اُچھلا اور بے غیرتی کے مجسّموں کو دبوچ لیا، پھر اُبلا اور شہادت کو گلے لگا لیا۔
خون کا غیرت گروپ ـــ دُنیا کی عظمتیں جس کی حیثیت کے سامنے سرفگندہ بیٹھی ہیں اور عقبیٰ کی نعمتیں اس کے خیر مقدم کو سروقد کھڑی ہیں۔
مرحبا، غیرت گروپ، صد مرحبا!!

عزّ اسمہٗ

نعت صفحۂ قرطاس پر بھی رقم کی جاتی ہے اور دل کے کینوس پر بھی۔
نعت بحور و قوافی کی پابندی سے بھی کہی جاتی ہے اور نثر کی رنگینیوں اور نیرنگیوں کے جلو میں بھی۔
نعت، دماغ میں موجود ذخیرۂ الفاظ سے بھی بیان کی جاتی ہے اور دل کی لفظیات کے بل بوتے پر بھی۔
میں اور آپ، نعت کے حروف، الفاظ، تراکیب اور مصرعے روشنائی ہی سے لکھتے ہیں ـــ اور، شہیدانِ ناموسِ رسالت نے مزرعِ نعت کی آبیاری اپنے خونِ پاک سے کی ہے۔
ہم نے مُرغِ تخییل کو عروض کی قیود میں جکڑ کر ـــ اور، انھوں نے طائرِ رُوحِ مقیّد کو آزاد کر کے، نعت کے بند لکھے ہیں۔
ہم نے خیالات کی اڑان سے الفاظ کے نگینے جڑے ہیں، انھوں نے خونِ قلب کے ترشّح سے مصرع ہائے تر کی صورت دیکھی ہے۔
محافظانِ حرمتِ آقا و مولا (علیہ التحیۃ والثناء) نے نعت کے ارقام کی خواہش میں، روشنائی کے طور پر اپنی رگوں سے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ دیا، تو گویا لاثانی خالق و مالک کے لاثانی محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی حقیقی نعت لکھنے کا اہتمام کیا۔
جانثارانِ حرمتِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے جس عدیم النظیر اسلوب میں یہ نعت رقم کی ہے، خداوندا! ہمیں بھی وہ اسلوب اپنانے کی توفیق مرحمت فرما!
ہم نعت کہتے کہتے، نعت پڑھتے سُنتے، محبت کے اُس جادے پر گامزن ہو جائیں جو سلمان رُشدی کے قتل کی منزل پر پہنچا دے!
اور، ـــ بدلے میں ہمیں دار کو بوسہ دینے کی سعادت مل جائے!!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لفظوں کے پیچھے محسوسات کی جو دنیا آباد ہے، اُس سے پوچھ لو کہ اس پر حکومت کس کی ہے

من کی شگفتگی اور روح کی سرشاری سے استفسار کرو کہ وہاں کس جذبے کی کارفرمائی ہے

دھڑکتے دلوں اور بہتے آنسوؤں کی کہانی کہو کہ وہ کس کے لیے دھڑکتے اور کس لیے بہتے ہیں

رگ ہائے جاں کہیں گی کہ اُن کی شاخوں پر کن جذبوں کا بسیرا ہے اور دل بتائے گا کہ کون سا دیار اس کا مسکن ہے

انفاس کی عطر بیزی اور نگاہوں کی مسکراہٹ کا سبب، جھانک کر دیکھنے سے خود واضح ہو جائے گا

اُلجھے ہوئے دماغ، پتھرائی ہوئی آنکھیں، نڈھال قویٰ، بے حس ضمیر، خوابیدہ دل اور مُردہ روحیں ہر حقیقت سے صَرفِ نظر کرتی ہیں، کریں —
لیکن جن کے من کے پیڑ کی آبیاری محبت کے حیات بخش پانی سے ہوئی ہے، انھیں ذرا جھنجوڑیں اور دیکھیں، — جوشِ ارادت کے اتنے پھل گریں گے کہ دھرتی کو ڈھانپ لیں گے۔

علائقِ نفس کی غنیم فوجیں جذبات کی پاکیزگی سے شکست کھا جائیں گی
من کی دنیا کو اجالنے والے کے اِس دنیا میں تشریف لانے کا ذکر ہوگا، تو من تو جھومے گا

روح کی معراج تو اسی میں ہے کہ درِ آقاؐ پر ٹھکانا کر لے

مجھے جس ہستی کے دم قدم سے ہستی کی دولت ملی، میں تو اپنی ہستی کو اُن کے قدموں میں نچھاور کرنے کی آرزوؤں پر زندہ ہوں

اُن کے اِس دنیا میں قدم رنجہ فرمانے کا جشن، میری برادری کے سب لوگوں کو مبارک ہو!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب دُنیاؤں اور ان میں بسنے والی ہر مخلوق کو اپنے سایۂ رحمت سے مستفید کرتے ہیں۔ سب دُنیائیں اور ان دنیاؤں کی ہر اک چیز اُن کی ممنونِ احسان ہے۔

مُصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دُنیائے انسانیت سے بُرائیوں کو مٹایا، وہاں اچھائیوں کو فروغ دیا،

صاحبِ خُلقِ عظیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تمدن کے چہرے کو حُسنِ معاشرت کے غازے سے سنوارا، نکھارا،

معلمِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ نے لوگوں کو محبت سے رہنے اور اصولوں پر لڑنے کی تعلیم دی،

طاہر و مطہر رسولِ انام علیہ التحیۃ والسلام نے جلوت و خلوت کو نگاہ و دل کی پاکیزگی کا وطیرہ سکھایا،
سرکارؐ نے ہمیں جینے کے ڈھنگ سکھائے، اعلیٰ مقاصد کے لیے مرنے کی اہمیت بتائی۔

یہ سب احسانات ہیں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے — اُن کے احسانات کا بوجھ ہمارے سروں کو بھی جھکائے ہوئے ہے اور نظروں کو بھی —

لیکن ایک احسان خُدا تعالیٰ بھی تو جتاتا ہے،
اللہ کا وہ احسان سرکارؐ کی بعثت ہے، سرکارؐ کا اِس دُنیا میں ظہور فرمانا ہے۔

آقا حضورؐ کے احسانات کا ذکر تو ہماری زندگی کے ساتھ ہے، مرتے دم تک ہوگا — ربیع الاوّل میں ہم اللہ کریم کے احسان کا ذکر کیوں نہ کریں۔

ہم نے اللہ کے اِس احسان پر اکتوبر میں سجدۂ شکر شروع کیا تھا، دسمبر تک جاری رہے گا۔

اور، — یہ سجدہ،
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سجدۂ شکر جاری ہے،
اللہ کے اُس واجد احسان پر جو اُس نے جتایا۔
مگر، یہ سجدہ ساعتوں، دنوں اور مہینوں کی قید سے ماورا ہے —
یہ تو ادا ہوتا نظر نہیں آتا۔
یہ ادا ہونا ممکن کہاں ہے —
اور، اگر ہم اس سجدۂ شکر سے اُٹھ بھی گئے تو تشہّد کی کیفیت
جاری ہو جائے گی اور اِس حالت میں آقا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)
کی بارگاہِ بیکس پناہ میں ہدیۂ سلام پیش کیے بغیر چارہ نہیں۔

ہم سجدے کی حالت میں نہ بھی رہے، تو بھی دل تو اس کیف سے سرشار
ہی رہے گا، وہ تو سرور کی اِن لذتوں سے مہجوری پسند نہ کرے گا،
وہ تو اللہ کے احسانِ عظیم پر ساجد و شاکر رہے گا۔

پھر، ہم سلامی ہوں گے تو یہ کیفیت بھی عارضی نہیں ہے۔ سلامی ہوں گے
تو سلامی رہیں گے۔

آقا حضور پر، ان کے ماں باپ پر، ان کے اصحاب و عترت پر، ان کی ہر
خُو و خصلت پر لاکھوں کروڑوں سلام۔ اَن گِنت سلام۔

اللہ کے دربار میں ہمارا سجدۂ شکر بھی مستقل ہے، ایک نہ ختم ہونے
والا سلسلہ — اور، اُس کے محبوب رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم
کی بارگاہ میں سلام بھی کوئی ہنگامی فرض نہیں۔
یہ بھی ہماری زندگی کے ہر لمحے کا رفیق ہے۔
اور، یہی ہمارا اعزاز ہے۔ یہی ہمارا افتخار ہے۔

دسمبر ۱۹۸۸۔ میلادُالنبی ﷺ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مبارکباد — اہلِ محبت کو،
آنکھوں میں گنبدِ خضرا کی یادوں کو بسانے والوں، اور دلوں کو
رؤف و رحیم آقا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ذکر سے منوّر و مستنیر کرنے والوں کو،
محبتوں کا رس گھولتی ہوئی زبانوں، حق کی آواز سننے والے کانوں
اور رضا و تسلیم کے پیکر جسموں کو۔
مبارک باد — یومِ بعثتِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی،
میلادالنبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی۔
دونوں عیدوں سے ہے بڑھ کر عیدِ میلادالنبیؐ
۱۲۔ ربیع الاوّل کو آقا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مبعوث کیے گئے
ہماری بہتری کے لیے،
کائنات کی بہتری کے لیے —،
کائنات کے محسن، کائنات کے ہر ذرّے پر احسان کرنے کے
لیے مبعوث ہوئے!
یہ اللہ کا اہلِ اسلام پر اتنا بڑا احسان ہے کہ اُس نے یہ
احسان جتانا ضروری سمجھا۔
اگر ہم اِس احسان کا برملا ذکر نہیں کرتے، اِس سب سے بڑی
نعمت پر اس کی تحدیث نہیں کرتے تو ہم ناشکر گزار نہیں ہیں کیا؟
اگر ہم اِس دن بھی خوشیاں نہیں مناتے تو خوشی کا
اس سے بڑھ کر کیا موقع آئے گا؟
مگر — خوشی کے اِس عالم میں اس پیغام کو
فراموش کرنے کا کیا جواز ہے جس کے لیے سرکار (صلی اللہ
علیہ وآلہٖ وسلم) مبعوث ہوئے!
اگر ہم سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے احکام و ارشادات
پر عمل میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے رہے تو محض اظہارِ مسرّت
ہمیں کیا فائدہ پہنچائے گا؟؟

اکتوبر ۱۹۹۰۔ میلادُالنبی ﷺ

عیدِ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ایک دن جس دن سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے۔
جس دن کو اللہ کریم جل شانہ العظیم نے مومنوں پر اپنا احسان قرار دیا۔
پیدا تو' ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے نبی بننے سے ہوئے تھے۔
اور نبی ہمارے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا اس وقت بھی تھے جب حضرت آدم علیہ السلام ابھی تخلیق نہیں کئے گئے تھے۔

عیدِ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
ایک دن کہ اگر اس دن کی نوبت نہ آنا ہوتی تو نہ دن کا وجود ہوتا' نہ رات کا
اس دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے انسانیت کو عظمت کا شرف عطا کیا گیا۔

۱۲ ربیع الاول انسان کو اشرف المخلوقات قرار دینے کا نکتۂ آغاز ہے۔
عیدِ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
انسان جنھیں شعور عطا کیا گیا ہے' اس دن خوشی منانے کی اہمیت سمجھتے ہیں۔
مسرت و ابتہاج کا یہ موقع سب مسرتوں پر فوقیت اور اولیت رکھتا ہے۔
ہم حضور حبیبِ ربِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی ہیں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی محبت پر دنیا کی سب محبتیں قربان کرنے کا داعیہ رکھنا ہی ہمارے مومن ہونے کی علامت ہے۔ پھر' اللہ تعالیٰ جس دن کو مومنوں پر اپنا احسان گردانتا ہے اور اس احسان کو جتاتا ہے' اس دن اپنی زندگیوں کے ہر لمحے سے زیادہ خوش ہونا ہمارے لیے سب سے اہم کیوں نہ ہو۔
عیدِ میلاد۔
ہم اس دن اتنے خوش نظر کیوں نہ آئیں کہ اور کسی دن اتنے مسرور نہ ہوں۔
ہم اس دن محسنِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے احسان پر شکرگزار کیسے نہ ہوں۔
اور' شکرگزاری کی کیفیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا عہد کیوں نہ کریں۔

ستمبر ۱۹۹۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معراج ایک استعارہ ہے' ایک کنایہ ہے' ایک اجمال ہے۔
استعارہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقام کی رفعت کا۔
کنایہ محبوب و محب کے وصل کی اہمیت کا۔
اجمال اُس تفصیل کا جو زنجیرِ در کے اُسی طرح ہلتے رہنے اور بستر کی گرمی برقرار رہنے کے دوران کی وسعتوں میں وقوع پذیر ہُوئی۔

معراج تسخیرِ خلا و ملاء کا آغاز بھی ہے اور انجام بھی۔
معراج قربتوں کے بعد' ــــ مزید قربتوں کی نشان دہی ہے۔
معراج اِس حقیقت کا اظہار ہے کہ خالق و مالک نے اپنے بندے کو جو دینا تھا' دے دیا' ــــ اور اس کا جاننا ہمارے لیے ضروری نہیں ورنہ بتا دیا جاتا۔
معراج قادرِ مطلق کی قدرتوں کا نشان ہے۔
معراج اس کی محبت کا اعلان ہے۔

یہ محبوبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا کا علوِ مرتبت ہے۔
یہ اُن کے محبت کی سیدھی راہ چلنے اور اس سے ذرا نہ بھٹکنے کا اعتراف ہے۔
یہ جلوے کے بھرپور اترنے کی بات ہے' جب وہ نزدیک سے ہو چکا۔
یہ دو قوسوں کے فاصلے کی سرگوشی ہے' اور پھر مزید قریب ہو جانے کی حقیقت ہے۔
یہ اُس آنکھ کا قصہ ہے جو نہ کسی طرف پھری' نہ حد سے بڑھی' ــــ جو دیدارِ حبیب سے بہرہ ور ہوئی۔
یہ اس جسم کی تحسین ہے جس کو سیر کرائی گئی' جس کو رفعت ملی' جو قربت سے سرفراز ہُوا۔

معراج ایک اجمال ہے' ــــ قربتوں اور محبتوں کا اجمال۔
معراج ایک تفصیل ہے ــــ ایسی تفصیل جس کی وسعتوں میں خالقِ کائنات کا جمال بھی ہے اور محبوبِ خالق کی نازبرداریوں کا حُسن بھی۔
وصل کی یہ کہانی محبت کی زبانی بیان ہوئی تو 'بنی اسرائیل' اور 'والنجم' کے اُسلوب کی چلمن سے جھانکتی ہوئی پائی گئی۔
اُسلوب کی یہ چلمن اَسرار و معارف کی اَن گِنت باریکیاں رکھتی ہے' جنھیں حرف جاننے والی آنکھ ہی اپنے اندر سمو سکتی ہے۔

مارچ ۱۹۸۹۔ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رفعت ایسی کہ خالق و مالک عطا کرے اور اس عمل کی توجیہ یہ بیان ہو کہ ایسا محبوبِ رفیع کی خوشی کے لیے کیا گیا ہے

عروج یہ کہ جس سرزمین پر قدم پڑیں، وہ جگہ اللہ تعالیٰ کی قسم کے قابل ہو جائے

عظمت اتنی کہ اللہ ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہے، ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمائے، ان کے فرمان کو اپنی وحی قرار دے، ان کی رضا کو اپنی عطا کے ساتھ لازم وملزوم ٹھہرائے، ان کی خواہش پر قبلہ یہ کہہ کر بدلے کہ جس طرف آپ کا دل چاہے اُدھر منہ کرلیں، لوگوں کو غنی کرے تو اپنے اس عمل میں اپنے محبوب کو شامل گردانے، لوگ انھیں ایذا دیں تو اسے اللہ کو ایذا دینا کہے، جو لوگ اس سے محبّت کرنے کی تمنّا رکھتے ہوں، انھیں اتباعِ محبوب کا درس دے اور پھر ان لوگوں سے خود محبّت کرنے کا اعلان فرمائے، — اور جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں، انھیں درِ محبوب کی راہ دکھائے

بلندی اتنی کہ طائرِ سدرہ اسے کلغی تھام کر دیکھنے کی جرأت بھی نہ کر سکے

علوِ مرتبت ایسا کہ جانِ عالمین جب مکان و لامکان اور زمان و لازمان سے ورے چلے گئے تو عالمین کا نظام رک گیا۔ کائناتوں کا جو کل پرزہ جس مقام پر تھا، وہیں جامد ہو گیا۔ وقت اور فاصلے کی نبضیں تھم گئیں۔ سورج جہاں تھا، وہیں "گُلِ محمّد" ہو گیا۔ رات ڈھلنا بھول گئی۔ واپسی پر بستر کی گرمی کا برقرار رہنا اور زنجیرِ در کا جُنباں ہونا اسی حقیقت کا علامتی اظہار تھا

معراج ایسی کہ تمنّائے رویت کرنے والوں کو کورا جواب دینے والا کسی کو سامنے بٹھالے۔ یہ کہہ کر فخر کرے کہ دیکھنے والے کی آنکھ نہیں جھپکی، یہ بتائے ہوئے مزا لے کہ دو کمانوں کا فاصلہ تھا، پھر وہ بھی نہ رہا قربت بامعنی ہو گئی۔

درودِ پاک تو اللہ تعالیٰ کی ہاں میں ہاں ملانے کا نام ہے

اس طرح میں اور آپ اپنی تمام تر خامیوں، غلطیوں اور گناہوں کے باوجود، اللہ کریم اور اُس کے فرشتوں کے ہم زبان ہونے کا شرف حاصل کر لیتے ہیں

یہ شرف کوئی معمولی شرف ہے؟

بندے کے لیے یہ مقام کم ہے کہ وہ اُسی کام میں لگ جائے جس میں اس کا خالق و مالک مصروف ہو — اور، یہ کام وہ اُس کے حکم کی تعمیل میں کر رہا ہو

وہ کتنا عظیم کام ہو گا جس میں خالق اور مخلوق، معبود اور عابد، سب مشغول ہوں

ہم ایسے خامیوں اور عصیاں شعاروں کو سورۂ احزاب نے کیا راہ سُجھا دی ہے! آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے قُربِ خداوندی کا یہ کیسا "شارٹ کٹ" ہے

نہ اس سے بڑا کوئی مقام ہے، نہ اس بڑے مقام تک پہنچنے کا اس سے آسان کوئی ذریعہ ہے

لیکن خداوندِ قدّوس و کریم نے اپنے اور بندے کے درمیان ایک فاصلہ یوں رکھا ہے کہ بندہ اگر بندہ ہے تو صرف درود پر اکتفا نہیں کرے گا، اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والصلوٰۃ والسّلام کو سلام بھی کرے گا — اور سلام بھی ایسے، جیسے سلام کرنے کا حق ہے

— تو کیوں نہ ہم اللہ کی ہم زبانی کی عظمت بھی حاصل کر لیں اور تعمیلِ حکم کی سُرخروئی بھی — درود و سلام کو شعار کر کے

درود بھی اور سلام بھی

یا اللہ! ہمارے سرکار صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اتنی بار درود و سلام ہو جتنی بار آج تک درود یا درود و سلام بھیجا گیا اور آئندہ بھیجا جائے گا!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کسی نے کہا، زندگی بھر میں ایک بار بھی اقرار کر لو گے تو فرض سے سبکدوش
سمجھے جاؤ گے

کوئی بولا، کسی ایک محفل میں ایک بار ضرور اقرار کرنا ہوگا۔ ایک سے زیادہ
مرتبہ اقرار کرو گے تو اچھا ہے، نہ کرو گے تو حرج کوئی نہیں

کچھ آوازیں اُٹھیں، نماز کی دو یا چار رکعتوں میں زبان کو ایک مرتبہ اس
کیفیت سے شناسا کر لینا کافی ہے — اس سے زیادہ کی اجازت نہیں

سیانوں نے باٹ رکھ لیے، مول تول میں کوئی کمی زیادتی نہ ہو جائے

کاہلوں نے معاملے کی سنجیدگی اور اہمیت کے بارے میں سوچنے ہی کی
زحمت نہ اٹھائی

اُخروی زندگی کے بارے میں سوچنے ہی کا تکلف نہ کرنے والوں کا ذکر
کیا، — مگر یہ تو اس دنیا میں بھی سکون و طمانیت کے حصول کا معاملہ تھا

احتیاطوں اور بے احتیاطیوں کے اس ماحول میں، جہاں کان پڑی آواز
سنائی نہ دیتی ہو، — جس نے اپنے دل سے فتویٰ پوچھا اُس نے منزل پالی

دل اگر رحمت کے حصار میں ہے تو شکر گزار ہے

دل پر شکر گزاری کے احساس کا پرتو ہے تو رحمتوں کے سائبان میں
اس کی ہر دھڑکن اقراری ہوگی، اس کا ہر لمحہ ثنا خواں ہوگا، وہ ہر وقت
درود پڑھے گا

زبان کسی وقت کہیں اور مشغول بھی ہو تو دل کا وظیفہ تو جاری رہنا
چاہیے!!

مارچ ۱۹۹۰ء۔ درود و سلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انعامات و احسانات کے پھریرے لہراتے ہیں،
تو ان پرچموں کے سائے میں چین سے بیٹھنے والے احسان شناسی
کی زبان کیوں نہ بولیں!

شفقتوں کے سائبان تنے ہیں، رحمتوں کے سائے گہرے ہیں،
تو ان ٹھنڈکوں میں گہری نیند سونے والے طمانیت کے خواب
کیوں نہ دیکھیں!

محبتوں کی کتابیں لکھی گئی ہیں،
تو ان کو پڑھنے والے، پڑھنے سے کیوں کترائیں، پڑھتے ہی کیوں نہ
چلے جائیں!

خطاب الفت کی تفسیر کرنے والے، لُغت و الفاظ کے بکھیڑوں میں اُلجھے ہوں،
بین السطور چاہتوں کے بحیروں میں ابلتے اچھلتے معانی تک نہ ان کی
بصارت کی رسائی ہو، نہ بصیرت کی،
تو ان سمجھنے کا دعویٰ کرنے والوں سے جاہل اچھے، جہالت بہتر!

ہمیں تو علم وہ چاہیے جس پر محبتوں کی چھاپ گہری ہو

بصارت وہ درکار ہے جسے سُرخیوں، نیلاہٹوں اور زردیوں سے
نہیں، سرسبزیوں سے شغف ہو

دل وہ اچھا ہے جو تصنیفوں کی سیاہیوں سے متاثر نہ ہو، اپنے
فتووں کی روشنی سے اہلِ دل کو متاثر کرے

قلم وہ پسند ہے جس کی قسم اس کا خالق کھاتا ہو — جو خالق و
مالک کے پیارے کی تعریف میں خمیدہ سر رہے

اور —

زبان وہ قبول جو صبح و مسا درود و سلام کے پھول بکھیرے!
ایسا نہ ہو تو گونگاپن نعمت ہے!!

اپریل ۱۹۹۰ء۔ درود و سلام

بسم اللہ تعالیٰ

مالک حکم دے تو بندے کی کیا مجال کہ وہ تعمیل میں کوشاں نہ ہو۔

مالک اپنے بندے کو ساتھ لے کر کسی کام میں مشغول ہو جائے تو بندہ لگن، تندہی اور جانفشانی سے اسے کیوں سرانجام نہ دے گا۔

آقا ایک کام پہلے خود کر کے دکھائے، پھر بندے سے کروائے تو "بندے دا پتر" ہونے کی صورت میں غلام اس کام کی انجام دہی میں جان کیوں نہ لڑا دے گا۔

اور، اگر کوئی کام مالک کی عادت بن گیا ہو تو بندے کو اس میں ہمہ تن مشغول ہونے میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔

پھر، ---- مالک اپنی اس عادت کا اعلان کرتے ہوئے بندے کے لئے اس کام کو فرض کر دے تو صورت کیا بنتی ہے۔

ایسے میں مستقل بدبختی کے علاوہ کوئی اور اڑچن بندے کو مالک کی خوشنودی حاصل کرنے سے محروم نہیں کر سکتی۔

پھر کون مسلمان درود خوانی کے عمل میں کسی کوتاہی کا مرتکب ہو سکتا ہے!

اور جو شخص اس وظیفۂ خداوندی کو دل سے اختیار کر لیتا ہے، آٹھ پہر اسی میں مگن رہنا چاہتا ہے، مقدر کی سختیاں اس سے پہلو بچا کر نکل جاتی ہیں یا بہت بڑی مصیبت، برائے نام پریشانی کی صورت بدل لیتی ہیں۔

آپ دس فٹ اونچائی سے پکے فرش کی طرف سر کے بل چلیں اور بخیریت نیچے پہنچیں یا آپ چوک میں کھڑے ہوں، پیچھے سے بریکوں کے بغیر ایک ویگن آئے اور آپ کو رگیدتی ہوئی دو تین سو فٹ لے جائے اور آپ بعافیت اٹھ کھڑے ہوں، یا ایکسیڈنٹ ہو، ہڈی ٹوٹ جائے اور تین ہفتوں میں آپ پھر کام کے قابل ہو جائیں -------
---- تو اسے کیا کہا جائے گا۔

محض خدا اور رسول خدا (جل جلالہ، و صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا فضل و کرم اور درود پاک کی برکت۔

فقط۔

آپ نے کوئی اچھا کام کیا،
آپ کے والد خوش ہوں گے۔
آپ نے وہ اچھا کام کیا جسے کرنے کی ہدایت انھوں نے دی تھی،
آپ کے والد زیادہ خوش ہوں گے۔
آپ نے وہ اچھا کام کیا جو آپ کے والد کیا کرتے ہیں،
وہ آپ پر بہت زیادہ خوش ہوں گے۔
جس کام کو بزرگ خود کرتے رہے، جس کے بارے میں انھوں نے آپ کو مستقلاً ہدایت کر رکھی ہے کہ یہ کرتے رہیں،
جب آپ اس کام میں منہمک نظر آئیں گے تو ان کی مسرّت دیدنی ہو گی۔
جب آپ ایسے کسی کام کو اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں، اسے حرزِ جاں کر لیتے ہیں،
اسے اپنی زندگی میں رائج اور اپنے اوقات پر نافذ قرار دیتے ہیں،
تو بزرگ کس قدر بہجت آشنا ہوں گے،
انھیں آپ پر کتنا پیار آئے گا،
وہ آپ کے لیے اپنی شفقتوں کی انتہا کیوں نہ کریں گے۔

اور، اگر

خود ایک کام کرنے والی ہستی،
بلکہ صرف ایک ہی کام کرنے والی قادر و توانا ہستی،
ہمیں بھی وہ کام کرنے کا حکم دیتی ہے۔

اور

ہم اس کام میں دل و جان سے مصروف ہو جاتے ہیں
تو اس ہستی کا ہمارے ساتھ کیا رویّہ ہو گا؟

درودِ پاک کی کثرت کر کے دیکھ لیجیے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کون کسی کو سلام کرتا ہے،

اِلّا یہ کہ کسی پر کسی کے احسانات شمار سے باہر ہوں، اور اسے اس کا
احساس بھی ہو

جسے ایمان ملا، اس کی زندگی کا ہر لمحہ ایک ہستی کا مرہونِ منّت
ہے، اس ہستی کے انعامات پر دال ہے۔ اسی لیے ایمان کی دولت پانے
والوں پر سلام واجب کر دیا گیا ہے۔

محسنِ اعظم ﷺ کو لاکھوں سلام پیش کرنا ہمارا فرض ہے۔

"لاکھوں سلام" تو ایک استعارہ ہے، جانِ رحمت پر ان گِنت
سلام کا ایک استعارہ ــــــ

یہ سلام تو سانس کی آمد و شُد سے متعلق ہے، زندگی کے
تمام لمحات پر محیط ہے۔ ہم ہیں تو سلام کی حالت میں رہیں گے

درود میں تو خدا اور اس کے فرشتے بھی شریک ہیں، بلکہ
پہل کرتے ہیں۔ لیکن سلام خالصتاً مسلمانوں کا شیوہ ہے، ان کا
تخصّص ہے، ان کا اعزاز ہے

ایمان رکھتے ہو تو "جآءُوکَ" کی شان والی ہستی کو سلام کرنا ہوگا
اللہ کو مانتے ہو تو جن کی جان کی قسم وہ کھائے، ان کے حضور
سرِ تسلیم جھکانا اور ہاتھ اٹھا کر انھیں سلام کرنا ہوگا

جس کی کمر کسی کے احسانات کے بوجھ سے جھکی پڑتی ہو، وہ
فرشی سلام کرتا ہے، کیے جاتا ہے

دل و جان سے محبوبِ ﷺ خالق کی عظمتوں کو ماننا "سَلِّمُوا تَسْلِیْمًا"
پر عمل کرنا ہے۔ "یُسَلِّمُوا تَسْلِیْمًا" کی کیفیتوں کا سرور نہ ہو تو،
"سَلِّمُوا تَسْلِیْمًا" کے حکم پر چلنا ممکن نہیں ہوتا

اور، اللہ کے حکم پر عمل نہ کریں تو کافر ہو جائیں!

جنوری ۱۹۸۹ ۔ لاکھوں سلام

آپ اپنی کسی محترم شخصیت کو محبت سے بُلاتے ہیں،
عقیدت کی زبان اس ہستی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے
ارادت کے مدھر گیت چاہت کی لے بن جاتے ہیں
آپ نگاہِ کرم کی تمنا میں سر بخم ہیں، مگر تر زباں ہیں
نویدِ التفات چاہتے ہیں

تو جھکی ہوئی نگاہیں، خمیدہ سر، اُنس و اُلفت کی زبان اور احترام کا
لہجہ اس ہستی کو مائلِ التفات و اُلطاف کیسے نہ کر دے گا،
غلامانہ نیازمندی آقا کو کیوں متأثر نہ کرے گی
ــ نگاہِ لطف ضرور کرم بار ہوگی
شفقتیں لازماً اپنی خُنک چھاؤں پھیلا دیں گی

اور، ــ اگر وہ محترم ہستی ایسی ہو، جو خالق کو بھی محترم ہے
اس کے اختیارات کی بھی حد نہیں
احسان کرنا بھی اس ہستی کی عادت میں شامل ہے
خُود وہ سراپا رحمت ہے ــ سب کے لیے

تو سوچیے، محبت و عقیدت کی اتھاہ گہرائیوں سے اس پُرعظمت ہستی کو
پکارنا، آپ کا کیا کیا کام نہ سنوار دے گا،
کیا آپ کی ہر تمنا رنگ نہ لے آئے گی
ہر آرزو اپنی منزل نہ پالے گی

شرط یہ ہے کہ آپ اس ندا میں صرف زبان کو نہیں، دل کو بھی استعمال کریں،
جسم "یا رسول اللہ" کہے اور روح "صلی اللہ علیک وسلم" کی صدا دے۔
جسم اور روح کا اتصال ہے تو آپ ہیں،
جسم اور روح کی طلب ایک ہوگی تو کرم کیسے توجہ نہ کرے گا!

نومبر ۱۹۹۳ ۔ یارسول اللہ ﷺ

بسم اللہ تعالیٰ

دکھ آئے گا تو سکھ کی تلاش ہوگی

پریشانی ہوگی تو اس کا علاج سوچا جائے گا

مصائب گھیریں گے تو اس گھیرے کو توڑنے کی سعی ضروری ہے

آلام معانقے کو لپکیں گے تو طمانیت سے مصافحے کی خواہش اُبھرے گی

جور و استبداد کا شکنجہ غالب ہو جائے تو حصارِ امن کی تلاش لابدی ہے

مُشکل پڑے گی تو اس ہستی کی طرف دوڑیں گے جس سے مُشکل کا حل مل سکتا ہے

بات فرد کی ہو یا قوم کی، ذکر ملک کا ہو یا دوسرے برادر ممالک کا، حالت گروہ کی ہو یا مسلک کی، نسل کالی ہو سپید ہو یا سانولی، پہناوا اِس طرح کا ہو یا اُس طرح کا، رہن سہن کتنا ہی مختلف کیوں نہ ہو، مُسلم یہاں کا ہو یا وہاں کا — انفرادی اعتبار سے بھی اور اجتماعی حیثیت میں بھی — ہم سب اضطراب و کرب کا شکار ہیں، پریشانیوں کا ہدف ہیں

باعث اِس کا، ہماری غفلتیں بھی ہیں، ناکردہ کاریاں بھی، معصیت شعاری بھی ہے نااہلی بھی، مفادات کی اسیری بھی ہے، دُنیوی آقاؤں کی خوشنودی کی تمنا بھی، حلبِ زر بھی ہے، فرقہ واریت بھی

ہمیں اِن خود کردہ لاعلاج امراض کی ہمہ جہتی نے مار رکھا ہے۔ ہم اپنی ہی جانوں پر ظلم کرنے، ظلم کرتے رہنے والے ظالم ہیں۔ لیکن ایسی کسی صورتِ حال میں ہمارے لیے "مفر مقر" صرف درِ مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) ہے کہ جَاءُوْكَ کا اُوہی ارشاد ہمارا راہنما ہے

آقا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمْ! ہم آپ سے استمداد کے طالب ہیں

اُنظُر حالَنا! اِسمَع قالَنا۔ سَہِّل لَنا اَشکالَنا!!

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مدینۃُ الرسول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ) سرزمینِ محبت ہے

یہیں سے محبت کے سوتے پھوٹے، یہی مقام محبت کا منبع و مصدر ہے

اسی لیے لوگوں کی محبت کا مرجع ہے

اللہ کریم نے اُس خاک کی قسم کھائی، جہاں اُس کے محبوب چلتے پھرتے تھے

اور جہاں اُس کے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ کا مُستقل قیام ہے

"اے خُنک شہرے کہ آنجا دلبر است"

"زمیں کا اتنا ٹکڑا آسماں ہے"

زمین کا وہ حصہ ہر مقام سے افضل ہے

اس سرزمینِ محبت تک رسائی آقا و مولا کے نام لیواؤں کی معراج ہے

اہلِ محبت اِس حُسنِ عاقبت کی دُعا کرتے ہیں

کہ گنبدِ خضرا نظر آئے اور طائرِ روح مقیدِ قفسِ جاں سے پرواز کر جائے

اور

"تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے"

زیرِ نظر شمارے میں اسی تمنا نے پیراہنِ الفاظ پہنا ہے۔

ایڈیٹر

تاریخ نے کہا:

جنھوں نے دُنیا کی تاریخ کو سنوارا، جن کے وجودِ باجود کی برکت سے ہستی کو ہستی ملی
وہ جس شہر کے شہریار ہیں اس کا جواب کہاں

علم بولا:

جہاں مدینۃ العلم (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کا ڈیرا ہے وہ جگہ اہلِ علم کے دِلوں میں بستی ہے

وجدان پُکارا:

عفو چاہنے والو! رحمت کے طلبگارو! وہ بستی ایسی پناہ گاہ ہے جس کے صدر دروازے پر
"جَآءُوكَ" کی نوید کندہ ہے

احساس گویا ہُوا:

وہ بستی اُن کا مسکن ہے، جو عالمین کے لیے رحمت ہیں،
وہ بستی نہ ہوتی، تو ہمارے دل کی بستی کیسے بستی؛

زبان اپنی زبانِ حال سے پُکاری:

میں تو بنائی اسی لیے گئی ہُوں، میں تو اس سرزمین کے گُن گاؤں گی

قلم نے کہا:

میرے خالق و مالک نے میری قسم اسی لیے کھائی تھی کہ میں مولائے مدینہ کی تعریف میں تر زبان
رہُوں ــــ اور سرکار جس شہر میں پھرتے رہے، جس شہر میں تشریف فرما ہیں اُس کے تقدس
کی، اس کی عظمت کی قسم کھاؤں!

اور ــــ،

آنکھ۔ بے چاری آنکھ:

میری آنکھ کچھ دیکھنے کی حسرت میں کُھلی ہے
دیکھتی ہے ــــ کہ بینائی چاہتی ہے۔ نُور مانگتی ہے

خدایا!

اس کاسۂ طلب کو بینائی کی بھیک بخش دے یعنی اس میں تجلیاتِ طیبہ بھر کر اسے ہمیشہ کے
لیے بند کر دے!

اگر یہ ہو سکے تو میری آنکھ دادِ دیکھا ہاں اِس تقیں بعد سب دیکھاں کچھ تے ہوئے منظر دیکھاں
(ایڈیٹر)

ذکر ایک شہر کا

جس میں داخلہ امن کی ضمانت ہے

جہاں اُس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں

جہاں دراصل ۵۳ برس اُس ہستی کا گھر رہا جن کا گھر ہر مومن کے دل میں ہے

جہاں کے ایک سیاہ پوش مکان میں نصب ایک کالے پتھر کا لمس لبوں
کے ذریعے رُوح و جاں تک کو روشنیوں سے مُستنیر کرتا ہے

جہاں ایک بزرگ کے نقوشِ پا کی جگہ کو مقامِ صلوٰۃ، ایک ماں کی
مضطربانہ بھاگ دوڑ کے مقامات کو شعائر اللہ، ایک معصوم کی
ایڑیوں کی رگڑ سے جاری ہونے والے پانی کو آبِ شفا، اور
محبوب کی تنہائیوں کے محافظ مقام کو خلوتِ نُور ٹھہرایا گیا

شہر جو یہاں سے ہجرت کرنے والی ہستی کو پسند تھا ــــ

تذکرہ دوسرے شہر کا

جو محبّتوں کا امین ہے، عقیدتوں کا مرکز و محور ہے

جو ایثار و اخلاص کی سرزمین پر آباد ہے

جہاں پہنچ کر انسان کا رُواں رُواں شدّتِ عجز و ارادت سے
سجدہ کناں ہو جاتا ہے

جہاں سے بٹنے والی خیرات پر کائنات پلتی ہے

شہر، جو ہجرت کرانے والی ہستی کو بہت پسند تھا

جو ہجرت کرنے والی ہستی کا شہر کہلایا

امن اور اطمینان چاہتے ہو، تو بس یہی دو جگہیں ہیں، ــــ صرف!!

حمد و نعت

روشنی کسے درکار نہیں ہوتی
اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارنا کسے پسند ہو سکتا ہے
جہاں اُجالا نہ ہو، وہاں تو اندھاپن اپنے جال بکھیر دیتا ہے
جیتے جی اور جاگتی آنکھوں تو کوئی بھی روشنیوں سے دوری کو برداشت نہیں کر سکتا
ہم زندہ و بیدار ہیں تو اُجالوں کی معیّت میں۔ اجالے منہ موڑ لیں تو نیند یا موت کے سوا سکون نہیں ملتا
اور، نیند اور موت دونوں ایسی صُورتیں ہیں جن میں آدمی کسی کام کا نہیں رہتا
پس، زندگی ہے تو اندھیاروں سے نفرت زندہ ہے، بیداری ہے تو روشنی کی ضرورت ہے

مسلمان اپنی اصل میں زندہ و بیدار ہوتا ہے، اس لیے روشنیوں میں زندگی گزارنا چاہتا ہے، اپنے عمل سے اجالے پھیلاتا ہے
اس کا آس پاس بھی پُرنور ہوتا ہے، اس کا اندر بھی روشن رہتا ہے
جہاں، خدا اور رسولِ خدا (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے احکام نافذ ہوں، وہاں کردار روشن ہوتے ہیں
جہاں خدا اور رسولِ خدا (جل شانہ، و صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے محبت کی آگ بھڑکتی ہے، وہاں اجالا الاؤ کی صورت میں سربلند ہوتا ہے
اور، جہاں خدا اور رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا گھر ہے، اس سرزمین کو دیارِ نُور کہنا سزاوار ہے
دیارِ نور کی زیارت بھی اہلِ دل کو مستنیر و منوّر کرتی ہے
مُنوّر سرزمین اور مُنوّر لوگ، حبّذا!

جنھیں ملی ہو سعادت اُنھیں ذرا پوچھو
مدینہ دہر میں دارالقرار ہے کہ نہیں

میں آج کل پھر دارالقرار کی جانب نگراں ہُوں
توسنِ خیال تو خیر ہر وقت اس سرزمینِ محبت کے لیے پابہ رکاب رہتا ہی ہے
جی چاہتا ہے رخشِ عمر بھی منزلِ مقصود ہی پر جاکر تھمے
منزل — جو اہلِ محبت کا مقصود ہے
مقصود — جو حاصلِ زندگی ہے
محبّت — جس سے نظامِ کائنات قائم ہے
محبُوب — جو خالق سے لے کر مخلوق تک سب کے محبوب ہیں
سرزمین — جہاں میرے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء چودہ سو سال سے تشریف فرما ہیں
ماحول — جہاں میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سلام سُنتے ہیں اور اُسی وقت بہ نفسِ نفیس جواب عنایت فرماتے ہیں
اگر "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" کا ہدیہ پیش کرنے پر مجھے سلامتی کا پیغام ملے، مجھے اللہ کی رحمت اور برکت کی نوید عطا ہو، بارگاہِ کریم، دربارِ رؤف و رحیم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) سے، — تو مجھے اور کیا چاہیے
اور — مجھے یہ موقع چوتھی بار مل رہا ہے۔ تین مرتبہ پہلے، میرے مالک و مُختار آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے طلب فرمایا۔ اب پھر مجھے سمن بھیجا ہے۔ خدا کرے اُس کچہری میں طلبی کا یہ سلسلہ کبھی بند نہ ہو!

غلام

بے مقام بھی ہے، بے وقعت بھی

علمی بے بضاعتی اس کا تخصّص ہے اور فہم کی نارسائی مُسلّم

عمل کا خانہ بھی خالی ہے اور "ظاہریّت" کا اہتمام بھی نہیں

تعلیماتِ قرآن واحادیث، شعر و سخن، ادب و انشا، صحافت — ہر شعبے میں،

ممکن ہے، اس کا مقام مبتدیوں کی بھی آخری صف میں ہو

لیکن اس کو غلامی کی سندِ امتیاز سے نواز دیا گیا

اس کی کج مج بیانی رد نہیں کی گئی

آقائے کائنات علیہ السّلام والصلوٰۃ کا یہ غلام، نیاز مندی کی ڈگری رکھتا ہے

یہ ہیچ میرز نعت کی خدمت پر مامور ہے

اسے یہ توفیق بھی خود ہی مرحمت فرمائی گئی ہے، پھر اس کو انعامات

سے بھی سرفراز کیا جا رہا ہے

جب سے اجرائے "نعت" ہوا ہے، پانچویں بار اس کی طلبی ہو رہی ہے،

"سمن" پھر آگئے ہیں

کوئی علم رکھتا ہو یا بے علم ہو، اپنی ہیئت کے اعتبار سے نیک لگتا ہو یا نہیں،

عمل کو اپنا طرّۂ امتیاز بنائے ہو یا بے عملی کو شعار کیے ہوئے ہو۔ شاعر ہو یا نہ ہو۔

اسے قلم اُٹھانا آتا ہو، نہ آتا ہو۔ وہ علمِ دین میں یگانۂ روزگار ہو یا اس سے بیگانہ۔

— غلامی سرکار صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا طوق اپنے گلے سے نہ اتارے، کوچۂ حضور صلّی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم سے دریوزہ گری کا رشتہ نہ توڑے، نیاز مندی اور غلامی کی سند پر مفتخر

رہے تو کامیاب ہے

سرکار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اُسے بُلا بُلا کے نوازتے ہیں

پھر جھولی پھیلانے کی ضرورت نہیں رہتی، دستِ طلب اٹھنا بھول جاتا ہے

مگر، عنایات میں کمی نہیں ہوتی!

آج کل افراد پا بہ رکاب ہیں

گروہ رختِ سفر باندھ رہے ہیں

قافلے راست رو ہیں

اہلِ محبّت جادۂ خوش بختی پر گامزن ہیں

جن کی ہُوک رسا ہو گئی، انھیں بُلا لیا گیا ہے

مالک و مختارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جن بلند بختوں کی

طلبی کا پروانہ جاری کیا ہے، وہ حاضر ہو گئے ہیں

جنھیں سمن آگیا ہے، وہ ارادت کے بوجھ سے سر نہیوڑائے پہنچے ہیں

جن کی سُنی گئی ہے، انھیں خوش نصیبی نے آواز دی ہے

جن کی منظوری آجاتی ہے، اُن کی حاضری ہو جاتی ہے

جن کی حاضری مقبول ہو، اُنھیں حضوری کی لذتوں سے سرشار کیا جاتا ہے

جن کا مقدّر دستگیر نہیں ہُوا، وہ جانے والوں کو محبّت سے دیکھتے

ہیں، پہنچنے والوں کا ذکر حسرت سے سنتے ہیں، رہنے والوں کی عظمت

کو تسلیم کرتے ہیں

مقدر کے جو دھنی، مدینۂ کریمہ میں حاضری کی سعادتوں سے بہرہ یاب

ہیں، انھیں محروموں کے دستِ کوتہ کا سلیوٹ اور نگاہِ رشک

کا سلام ہو

آقا حضور صلی اللہ علیک وسلم!

میری محرومی کی زندگی کو مختصر فرما دیجیے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"مدینے جاؤں، پھر آؤں، دوبارہ پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے"

کوئی شاعرانہ خیال نہیں، بہت سوں کی وارداتِ قلبی کا عکاس ہے

کون ہے جو شہرِ کرم کا منقبت خواں نہیں، وہاں کی معطر و معتبر فضاؤں
سے استفادے کا خواہاں نہیں

جو اس سرزمینِ محبت تک نہیں پہنچے، وہ ترستے ہیں اور جو ہو آئے ہیں،
وہ تڑپتے ہیں

کوئی شخص سرمایہ و ثروت کے بل بوتے پر وہاں جانے کا مدعی ہے تو جھوٹا ہے
دیارِ اُنس و وفا میں حاضری کا تو ذریعہ یہ ہے کہ بلاوا آجائے، یا حاضری
کی اُمنگوں کو قبولیت کا خلعت عطا ہو

اُس قدیرِ محبت میں حاضری بھی نظرِ کرم سے ہوتی ہے، اور حضوری کی
کیفیتوں سے بھی اُسی کو سرشار کیا جاتا ہے جسے نوازنے کے لیے چُن لیا جائے

شہرِ کرم میں جود و عطا کے بھکاریوں کا تانتا بندھا رہتا ہے
وہاں مانگنے والوں کا ذوقِ دریوزہ گری بھی دیدنی ہوتا ہے اور عطا فرمانے
والی ہستی کے رنگ بھی نرالے دکھائی دیتے ہیں

اِس بار اگر "نعت" کے عملۂ ادارت کے تینوں درخواست گزاروں کی
سُنی جائے تو زہے نصیب!

منّت، زاری اور دعائیں جبھی رنگ لا سکتی ہیں جب شہر یارِ مدینہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ کرم کا اشارہ ہو جائے

سرکار (صلی اللہ علیک وسلم)! اُنظر حالنا! ہماری پھیلی ہوئی جھولیوں
میں دیارِ طیبہ کی خیرات ڈال دیجیے!!

بسم اللہ

قسمت یاوری کرے، بخت بلند ہو،
محبتیں معاونت کریں،
جذبے پذیرائی کا شرف پالیں،
اور، دعاؤں کے لیے بابِ قبولیت وا ہو جائے
تو
حرمین شریفین کے لیے پروانۂ سرافرازی ملتا ہے۔

حرمت والے دو قریے!
شہر، جس میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تریسٹھ برس رہے،
شہر، جس کو حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چودہ سو اٹھارہ سال
سے اپنی معیت کا اعزاز عطا فرما رکھا ہے۔

اِن شہروں میں حاضری ہر کسی کا مقدر نہیں ہوتی۔
حاضری ۔ جس سے دلوں کے علاقے مستحکم ہوتے ہیں
رتجگے، جن کے نشے میں اہلِ دل نیند کا تصور حرام جانتے ہیں
نسبتیں، جن کے حوالے معتبر ہیں
زیارتیں، جو عہدِ بہترین کے بہترین لمحوں کی یادگار ہیں
فضاؤں میں رچی بسی خوشبوئیں، جن سے اربابِ بصیرت
مشامِ جاں کو معطر کرتے ہیں

کہیں مقامِ مولدِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) روشنیوں کا مرجع ہے۔
کہیں سُورج پہلے گنبدِ اخضر کو جھانکتا ہے، پھر برآمد ہوتا ہے۔

مرحبا وہ لوگ جو اِس تاک جھانک کے شاہد ہیں،
حبّذا وہ زائر، جو سعادتیں سمیٹنے میں ماہر ہیں،
زندہ باد وہ خوش مقدر، جو اِن مظاہر کے لیے دل کی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں

جتنے عالم خدا نے بنائے ہیں، اُن سب کے لیے رحمت۔

عالم جو انسان کو معلوم ہیں اور عالم جو انسان کو معلوم نہیں

انسان کو معلوم اربوں کھربوں عالموں سے اللہ کے نظامِ رحمت کا گہرا رشتہ ہے

—— لیکن ہم تو صرف اُتنا ہی جانتے ہیں، جتنا ہمارے عالم سے متعلق ہے

عالمِ انسانیت بھی اللہ کے نظامِ رحمت کے تابع ہے

انسانوں کی دنیا کا ہر گوشہ بھی رحمۃ للعالمین کے فیض سے متمتع ہوتا ہے۔

اور، جو فیض یاب ہوتا ہے، مزرعِ مدحت میں عقیدت کے گُلاب کھِلاتا ہے

جن لوگوں نے بوجوہ اسلام کی حقانیت کو تسلیم نہ کیا، ان کا احساس بھی

فیض یابیٔ رحمت کا مرہونِ منت نظر آتا ہے

ضمیر بولتے ہیں کہ جس کے دم سے قائم ہو، اُس کی مدح کرو

دل کہتے ہیں کہ جس رحمت سے تمہاری زندگیوں کا لمحہ لمحہ مُستفید ہے، اُس

کی نعت کہو

ضمیر کی آواز اور دل کی زبان، زندہ باد!

(ایڈیٹر)

جو لوگ اسلام کے دائرے میں داخل نہیں ہوئے، وہ بھی پیغمبرِ اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

کی رفعتوں کو سلام کرتے ہیں

اور، میرا سر تو ہر اُس شخص کے آگے مستقلاً خم سمجھو جو اپنا سر میرے سرکار

(صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی بارگاہ میں جھکاتا ہے —— وہ کوئی بھی ہو

میں تو ایسے غیر مسلموں کا بھی نام لیوا ہوں، اور رہوں گا

میرے اِس رشتۂ نیاز کا حلقہ بہت وسیع ہے

لیکن —— غیر مسلموں کی اِس مدحت سرائی کے دو پہلو ہیں:

ایک طرف تو دوسرے مذاہب کے ایسے ماننے والے، حضور حبیبِ خدا

(علیہ التحیۃ والثنا) کے اُن اُمتیوں سے بہتر لگتے ہیں جو آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کی تعریف و ثنا میں بُخل سے کام لیں

اِس صورتِ حال کا ایک رُخ یہ ہے کہ اُمتی اپنے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کی توصیف کا دائرہ گفتار سے کردار تک وسیع کریں ورنہ وہ کئی جہتوں میں

غیر مسلموں سے مختلف اور اونچے دکھائی نہ دیں گے

ہم بھی اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف میں تر زبان ہوتے ہوں،

اور رام سروپ یا روپ سنگھ بھی ان کی ثنا میں زمزمہ خواں ہو ——

نہ وہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم مانتا ہے، نہ میں اپنے آقا کے حکم پر چلتا ہوں ——

ہم تو کلمہ گو ہیں، حضور سے محبت ہمارے ایمان کی بنیاد ہے، حضور کی تعریف

ہمارا فریضہ ہے۔ اور —— کسی غیر مسلم پر ایسی کوئی پابندی نہیں!

پھر بھی وہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح میں رطب اللسان ہے

تو وہ ہم سے بڑا ہے

بہت بڑا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"الف" نماز کا اہتمام کرتا ہے
یہ اُس کا اور اس کے خالق کا اندرونی معاملہ ہے
لیکن اِس کام کی وجہ سے وہ میرے لیے لائقِ تکریم ہو گیا ہے۔

"ب" درودِ پاک کا عامل ہے
اِس طرح وہ اپنی عاقبت سنوار رہا ہے، اور اپنی دُنیا بھی بنا رہا ہے
مگر میں اُس کا نام عزّت و احترام سے لینے پر، اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں۔

"ج" لوگوں کو پانی پلاتا پھرتا ہے
اِس عمل سے اس کی فردِ عمل میں نیکیاں کریڈٹ ہو رہی ہیں
پر، اِسی باعث اُس نے میرے دل میں بھی گھر کر لیا ہے۔

اور،
جو شخص محبتِ سرکار (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم) میں بھیگا ہُوا نظر آئے، — مدحتِ آقا و مولا (علیہ التحیۃ والثناء) میں تر زباں دکھائی دے، وہ اگرچہ مومن ہونے کی صورت میں اپنے ایمان کے تقاضے پورے کر رہا ہوتا ہے، مگر مجھے اِس لیے اچھا لگتا ہے کہ اُس کی زبان پر میرے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف و ثنا ہے۔ میرے لیے وہ یوں مکرم ہے کہ اُس کے ممدوح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے نیازمندی اور غلامی کا ایک رشتہ میرا بھی ہے۔

پھر،
اگر وہ مومن نہیں — حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے محبّت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدحت اُس پر لازم نہیں، — وہ غیر مسلم ہے، اور پھر بھی میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت کہتا ہے، تو میرے لیے وہ نسبتاً زیادہ محترم کیوں نہ ہو

اِلّا یہ، کہ وہ یہ کام منافقت سے کر رہا ہو۔
چنانچہ جو غیر مُسلم حضور سرورِ کائنات علیہ السّلام والصلوٰۃ کی حیاتِ طیبہ سے مُتاثر ہو کر مدحت سرائی اختیار کرتا ہے، میرے لیے قابلِ اکرام ہے
اور، منافقت کے بَل پر ایسا کام کرنے والا، غیر مسلم ہو یا نام نہاد مسلمان — میرے دل میں اپنے لیے نفرت ہی پائے گا
اگر مجھے اپنے آقا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے محبت ہے، تو یہی ہوگا۔
اِن شآءَ اللّٰہ العزیز!

نومبر ۱۹۹۵ - غیر مسلموں کی نعت گوئی

بچپن، معصومیت کا زمانہ ہوتا ہے
پھر — معصومِ اعلیٰ کا بچپن کیسا ہوگا!
کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ
جن کی تخلیق ان کی اپنی مرضی کے مطابق ہوئی، ان کا بچپن کس کی خواہشات پر پُورا اُترا ہوگا

ولادت کے وقت جن کی زبان پر رَبِّ ھَبْ لِیْ اُمَّتِیْ کا نعرہ تھا، بچپن کی عصمت مآب ساعتوں میں اپنی گناہگار اُمّت کو کب بھولے ہوں گے

وہ تو مہد میں چاند کے کھلونے سے اس لیے کھیلتے رہے کہ اُمّت کو تسخیرِ ماہ کا درس دیں۔ مگر وائے ناکردہ کاری، کہ ہم اِس نکتے کو پا ہی نہ سکے

وہ تو بچپن میں شیما بہن کے ساتھ اور رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں اِس لیے چَراتے رہے کہ اُمّت کی بھیڑ کو کارواں کی صورت منظّم ہونے کی راہ سمجھائیں لیکن ہم نے بے نظمی سے رغبت کو نہ چھوڑا

بُحیرا راہب نے اُنھیں دیکھا تو اِس دلیل کے ساتھ اُنھیں نبی مانا کہ درخت اُنھیں سجدے کرتے تھے — اور ہم، اُن کے لیے تعظیم کے عمل پر سو سو بار سوچنے کے مرتکب ہیں

انھوں نے اپنی موروثی کنیز کو ماں اِس لیے کہا اور سمجھا، کہ کوئی شخص غلاموں یا ملازموں کو حقیر نہ جانے مگر ہم نے طبقات کی خلیج کو گہرا کیا، پاٹا نہیں

پھر — ہم نے اپنے آقا و مولا (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا بچپن یاد رکھا ہے، یا بھُلا دیا ہے

ہم مُجرم ہیں یا نہیں ہیں
ہیں تو کتنے بڑے ہیں؟؟

دسمبر ۱۹۹۱ - حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن

اُنھیں تو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے
عوالم جو ہمارے علم میں ہیں اور عوالم جو ہمارے علم سے ماورا ہیں،
وہ جہان جہاں زندگی معدوم نہیں اور وہ کائناتیں جہاں زندگی معلوم نہیں
کائناتِ دُنیا کے لیے بھی وہ رحمت ہیں
عالمِ انسانیت بھی ان کی رحمت کا مرہونِ منّت ہے
ان کا ظلِ رحمت جہانِ اعدا پر بھی ہے، اور عالمِ اسلام بھی
رحمت ورافت کے لیے ان کی طرف نگراں ہے
جو جان کے دشمنوں پر بھی شفیق تھے، ان کے لیے دعاگو رہے، وہ
اپنے نام لیواؤں پر کتنے مہربان ہوں گے،
جو عصیاں شعاروں کو اپنا بتاتے ہیں اور ان کی مغفرت کے لیے اپنے رب
سے بہت کچھ منواتے ہیں، متّقیوں کو گلے سے نہ لگاتے ہوں گے!
انسان کتنا ہی نیکوکار ہو، اس کی جبلّت میں غلطی کی گنجائش موجود ہوتی ہے،
لیکن حیاتِ انسانی کے کچھ ابتدائی سال معصوم ہوتے ہیں۔ اِن —
معصومیت مآبوں سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تعلقات
کی نوعیت، ان سے چاہت کا انداز، ان سے شفقت کی صورتیں،
ان پر محبت کے مظاہرے کیا رہے —؟
بچوں کی معصومیت پر معصومِ اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی
شفقتوں محبتوں کا پرتو کیا رنگ لاتا ہے، کیا صورت دکھاتا ہے؟
بھولے بھولے لمحات کا حال، معصوم معصوم تعلقات کی باتیں
پڑھ کر آپ کا دل جھوم جھوم نہ اٹھے تو جانوں!!

اپریل ۱۹۹۳۔ حضور ﷺ اور بچے

دریا کو کوزے میں بند کرنا محاورہ ہے
محض محاورہ
ورنہ دریا بھی کبھی بند ہوئے ہیں
وسعتیں یوں مقیّد ہونے لگیں تو بات کیسے بنے
پھر — وسعت بھی اگر لا متناہی ہو
ذہن واحساس کی پہنائیوں سے دُور، تخیّل وتفکّر سے بھی ماورا —!!
انسان کا علم محدود ہے — وہ تو اپنے اندر پوری طرح نہیں جھانک سکتا
وہاں بھی لاکھوں دُنیائیں آباد ہیں
پھر باہر کی دنیاؤں کا حال کون جان سکتا ہے۔
کچھ عوالم ہماری آنکھوں نے، کچھ ہمارے آلات نے، کچھ ہمارے علم نے دریافت کیے ہیں،
لیکن بہت سی دُنیاؤں تک ابھی انسان کا علم رسا نہیں ہو سکا
دنیائیں معلوم ہوں یا نامعلوم،
ایک بات معلوم ہے کہ ان سب کے لیے ایک نظامِ رحمت مرتب ہوا تو یہ تخلیق ہوئیں،
کوئی چیز، کوئی دنیا پیدا نہ ہوتی، اگر ایک ہستی کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا
ایک محبوب ہستی کے لیے سب کچھ بنایا گیا
اس ہستی کو سب کچھ کے لیے رحمت بنایا گیا
دنیائیں ہیں تو اس ہستی کے دم قدم سے،
دنیاؤں میں ایک نظم وترتیب ہے تو اس ہستی کے باعث
رحمت اس ہستی کی صفت نہیں — رحمت وہ ہستی خود ہے
ہر عالم کے لیے رحمت، سراپا رحمت
رحمتِ عالمین (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو سلام!

جولائی اگست ۱۹۹۳۔ تسخیرِ عالمین اور رحمۃٌ للعالمین ﷺ

بسم اللہ

اُس نے اپنے والدِ محترم سے کہا،

مجھے آپ سے محبت ہے

وہ ہر ایک سے کہتا پھرا "میں والدِ مکرم کی عظمت کو سلام کرتا ہوں

اس نے ہر جگہ اعلان کیا کہ اس کے باپ عظیم ہیں، شرفِ انسانیت

کی رفعتوں سے مشرف ہیں

اس نے اپنے پدرِ بزرگوار کی تعریف سے نہ زبان کو روکا، نہ قلم

کو لکھنے دیا

پھر، ایک دن آیا کہ باپ نے بیٹے کو کوئی کام انجام دینے کو کہا

بیٹا بولا، مجھ سے جتنی تعریف کرانا چاہیں، کرا لیں، میں پہلے ہی

آپ کو بہت بڑی ہستی سمجھتا ہوں اور اس کا اعلان کرتا رہتا ہوں

باپ نے کام کی بات دہرائی، تو اس نے پھر تعریف میں زبان کھول دی

ـــــ اب، اگر باپ نے اسے عاق کر دیا تو کیا بُرا کیا۔

میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی کو اپنی امت سے تو نہیں نکالتے،

لیکن کیا یہ رویہ درست ہے کہ ہم آپؐ کی مدحت میں تو تر زبان رہیں،

آپؐ کے علوِ مرتبت کا تذکرہ تو ہر وقت کرتے رہیں، آپؐ کی خوبیاں

تو بیان کرتے نہ تھکیں لیکن احکام سے روگردانی کریں، بات نہ

مانیں، پیروی نہ کریں

جب حضور سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ ہم پر شفیق ہیں،

بہت زیادہ شفیق ـــــ تو ہم آپؐ کی عاداتِ کریمہ کی اتباع

کا دائرہ گفتار سے کردار تک وسیع کیوں نہیں کرتے

یہ کریں گے تو ہماری زبانیں سچی ہوں گی۔

جنوری ۱۹۹۵۔ حضور علیہ ﷺ کی عاداتِ کریمہ

بسم اللہ

میرے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تو جس زمین کو نسبت ہو گئی، اللہ

کریم نے اس کی قسم کھائی

جس خطے کو حضور رسولِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آرام گاہ بننے کا شرف

حاصل ہوا، وہ عرش سے افضل مانا گیا

جن خوش نصیبوں کی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے نسبتِ غلامی قائم

ہوئی، اللہ ان پر راضی ہو گیا، ان کے اللہ سے راضی ہونے کا اعلان قرآن

میں کرنا ضروری سمجھا گیا

قدسی نے، جامی نے، اعلیٰ حضرت بریلوی نے، مولانا حسن رضا نے،

اور بہت سے اہلِ محبت نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کتوں سے نسبت، ان

کے سگانِ کوُ سے نسبت کو باعثِ اعزاز گردانا

نسبتیں محترم اُس وقت ہوتی ہیں، جب وہ بڑے لوگوں سے ہوں۔

اور جب اُس نسبت کا حوالہ سامنے آئے جو خالق و مالک کے بعد سب سے

بڑی ہستی ہے، تو نسبت کتنی وقیع ہو گی، حوالہ کتنا بڑا ہو گا، ذکر کتنا

متبرک ہو گا!

نسبت حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پائے اقدس سے ہو تو جوتا لائقِ

صد تکریم ہو جاتا ہے، فرازِ عرش پر چمکتا دمکتا دکھائی دیتا ہے اور

حسن رضا کہتے ہیں ؎ جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاکِ حضورؐ

تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

اس صورت میں ـــــ

اگر نسبتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خون کی ہوں، دودھ سے جنم لیں یا زبان

سے پیدا ہوں ـــــ تو کتنی بڑی ہیں

اِن نسبتوں کو سلامِ نیاز پیش نہ کرنا ہمارے بس میں تو نہ تھا!

دسمبر ۱۹۹۳۔ حضور علیہ ﷺ کی رشتہ دار خواتین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ میں سے کسی کو کوئی یہ طعنہ دے کر تو دیکھے کہ آپ
بیوی کی کمائی پر بیٹھے ہیں
مجھے کوئی یہ کہنے کی جرأت تو کرے کہ میں نے زندگی بھر
کوئی کام نہیں کیا
میرے کسی عزیز کے بارے میں کسی کی زبان تو کھلے کہ
وہ اپنی گزران کے لیے محلے والوں کا منہ دیکھتا ہے
جو مرد کمائی کے لیے کوئی ذریعہ اختیار نہ کرتا ہو اسے
اچھے نام سے کون یاد کرتا ہے
آپ ساری عمر کماتے رہیں، بچوں کو پال پوس کر
بڑا کر دیں، سب کی شادی بیاہ کے فرض سے بھی سبکدوش
ہو جائیں لیکن بوڑھے ہو کر اگر کچھ کام نہ کرتے ہو تو بھی
معاشرے میں عزت نہیں پا سکتے
پھر! جس ہستی نے دشمن معاشرے میں سب سے
زیادہ عزت پائی، اس کے بارے میں زبان کھولتے ہوئے ہمیں
کیا چیز اس امر پر اکساتی ہے کہ جو چاہیں، کہہ ڈالیں
یہ صورتِ حال ہمارے لیے تو قابلِ برداشت نہیں!

اپریل ۱۹۹۴ء۔ حضور ﷺ کی معاشی زندگی

عورت بیٹی بھی ہوتی ہے، بہن بھی اور بیوی بھی
لیکن یہ سب راستے ہیں،
منزل، عورت کا ماں بننا ہے
عورت کی تخلیق کا مقصدِ اوّل یہی ہے
وہ، ماں بنتی ہے تو مکمل ہوتی ہے
اور، ــــ ماں جھوٹی نہیں ہوتی
ماں جھوٹی ہو جائے تو رشتوں کی عمارت ڈھے جاتی ہے، رشتوں
کی "پیوترتا" مجروح ہو جاتی ہے، اولاد بے نام ہو سکتی ہے
ماں ــــ کبھی جھوٹی نہیں ہوتی۔
مشیت یہی ہے کہ اُس ہستی کو جسے بالآخر ماں بننا ہوتا ہے،
کسی سطح پر جھوٹا نہ کہا جائے
اسی لیے حکم دیا گیا کہ دو مرد گواہ ہوں، ــــ یا ایک مرد اور دو
عورتیں، تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اُسے یاد دلا دے
بھول مرد بھی سکتا ہے لیکن اُسے یاد دلانے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔
جھوٹ عورت بھی بول سکتی ہے لیکن اسے جھوٹا کہنے کے بجائے بھول جانے والی کہا گیا ہے
یہ، بھول سکنے والی جب اپنی محسن ہستی کو نہ بھولے،
یہ، جھوٹ نہ بولنے والی جب دنیا کا سب سے بڑا سچ بول رہی ہو اپنے
محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف و ثنا میں زبان کھولے تو نعت گو ہوتی ہے
جھوٹ میں ملوث نہ کی جانے والی شخصیتیں، سچ کی انتہا کو چھو رہی
ہیں، نعتیں کہہ رہی ہیں
خواتین کی نعت گوئی کا تذکرہ ہمارے لیے باعثِ اعزاز ہے!

جولائی اگست ۱۹۹۵ء۔ خواتین کی نعت گوئی

بسم اللہ

آسمان کی بلندی کی وجہ سے زمین کی پستی عیاں ہوتی ہے

اپنی عصیاں شعاری کے باعث ہم درِ شفاعت کی سمت نگراں رہتے
ہیں۔ شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے گناہگار کو اپنا فرمایا

ہمارا خاکی ہونا ہمیں نورانی فضاؤں کی تمناؤں کے ساتھ زندہ رکھتا ہے

اندھیاروں کی چیرہ دستیاں عروج پر نہ ہوں تو روشنیوں کا جنم
ضروری نہ ٹھہرے

ظلمت گھمبیر ہو جاتی ہے تو طلعتیں ضیا فگن ہونے لگتی ہیں

کُفر کی تاریکیاں کائنات کو گھور اندھیروں کا شکار بنا چکیں تو
نُورِ خدا کو مبعوث کیا گیا

مطلعِ نبوّت پر سراجِ منیر چمکا تو ظلمتیں بے نام و نشان ہو گئیں

نورِ الٰہی پرتو فگن ہُوا، رسالت کی ہیئت میں خورشیدِ توحید
طلوع ہُوا تو شبِ ضلالت کا وجود، عدم ہو گیا

حق آئے تو باطل نابود ہو ہی جایا کرتا ہے

نور کی آمد سے تاریکیاں رفت گزشت ہو جاتی ہیں

نور آئے تو سائے یا تو دائیں بائیں بھاگنے لگتے ہیں، یا سمٹ کر
مٹ جانے کی تمنا کرتے نظر آتے ہیں

نورِ مطلق کے ساتھ سائے کا ذکر محض عنقا کے حوالے سے آتا ہے

کائناتِ عالم گھٹا ٹوپ اندھیروں کا شکار تھی کہ نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم یہاں تشریف فرما ہوئے

اس نورٌ علیٰ نور سے تمام دُنیائیں بھی روشن ہوئیں اور انسان کا
اندر بھی منوّر و مُستنیر مانا گیا۔

نومبر ۱۹۹۴۔ نورٌ علیٰ نور

وہ سراپا نُور ہیں

نورِ یقیں، نورِ خدا

اور ــــ

سایۂ قدِ دلآویز و دلآرا و حسیں

ڈھونڈتی پائی گئی چشمِ فلک

لیکن نہ پایا آج تک

دیکھا قدِ دلجوئے شہؐ جن جاں نثار اصحابؓ نے

وہ جو کہ تھے

اربابِ علم و دانش و تقویٰ و فہم

اُن کی نظر

اُٹھتی نہیں دیکھی کسی نے بے محابا چہرۂ نوریں کی سمت

جوشِ الفت تھا مگر حُسنِ عقیدت کی نظر کب لینے دیتی جائزہ

تفصیل سے سرکارؐ کا

بس اس لیے کی ہیں فقط دو چار چھ باتیں بیاں

حُسنِ سراپائے رسولؐ اللہ کی

(اُن پر مرے ماں باپ، مال، اولاد، جاں سب کچھ فدا)

جزئیات میں جانا کسی کے واسطے ممکن نہ تھا

اصحابؓ سرکارِ جہاںؐ صد مرحبا!

جوشِ عقیدت حبّذا!!

اکتوبر ۱۹۹۲۔ سراپائے سرکار ﷺ

محبت کی اپنی زبان ہے
اپنائیت اپنا منفرد لہجہ رکھتی ہے
لاڈ پیار کے القاب زبان و بیان کے مروجہ اسلوب کی میزان پر نہیں تولے جاتے
مگر
خود احتسابی کی اہمیت سب سے پہلے ہے —،
کیا ہم واقعی محبت کی زبان میں شعر کہہ رہے ہیں؟
کیا ہم اپنائیت کے اس درجے پر ہیں کہ ہمارا لہجہ اپنی انفرادیت کا جواز رکھتا ہے؟
ہماری ممدوح ہستی نے ہمارے لاڈ پیار کی کتنی پذیرائی کی ہے، اور خود ہمارے
ساتھ اس نوعیت کا رشتہ استوار فرمایا ہے؟
ہمیں بے تکلفی کا اجازت نامہ کس اتھارٹی نے جاری کیا ہے؟؟
اگر محاسبۂ نفس کا یہ امتحان آپ کو کامیاب قرار دیتا ہے تو فبہا —
لیکن
اگر آپ میری طرح احتساب کے سوالنامے کا سامنا کرنے میں حجاب محسوس کرتے ہیں،
منعوت معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علوِ مرتبت اور اپنی کم مائیگی، بے بضاعتی
اور کم علمی کا شدید احساس آپ کا دامن گیر ہے،
عظمتِ مقامِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا ادراک ذہن و قلب پر مرتسم ہے،
بارگاہِ سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے قرآنی آداب آپ کے سامنے ہیں،
تو بہتر یہی ہے کہ خالق و مالک کے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر ادب
کے لہجے میں کیجیے، سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب کرتے ہوئے سراپا
احترام بن جائیے
امتی اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والثناء کا جتنا ادب کرے گا، فائدے میں رہے گا!!

جولائی ۱۹۹۶ء۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لفظ "آپ" کا استعمال

محبتِ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ایمان کی بنیاد ہے
اور ایمان بکاؤ مال نہیں ہوتا
یہ دولت نہ بکتی ہے نہ خریدی جاسکتی ہے
محبت کی راہ میں قدم اٹھیں تو رکنا کیسا اور پلٹنا کیوں؟

محبت کا راستہ ہموار بھی نہیں ہوتا
لیکن — اس سفر میں ہماری سمت راست ہے
ہم سر جھکا کر چلتے ہیں، مؤدب رہتے ہیں

ہمارا سفر منزل رکھتا ہے
اور یہ منزل غلامی کی منزل ہے
یہ سفر نیازمندی کا سفر ہے
یہ سفر ذہنی ہمواری اور فکری آسودگی کا سفر ہے
— یہ سفر زندگی کی آخری حد تک جاری رہے گا

تعاون کی راہیں مسدود اور مخاصمتوں کی زبانیں بگٹٹ ہیں لیکن
یہ قدم رکنے کے نہیں
نیازمندی اور غلامی کا یہ سفر جاری رہے گا
جاری رہے گا!

ایڈیٹر

اپریل ۱۹۸۸ء

آقا آقا ہے اور بندہ بندہ

آقا کا در رحمتوں اور نوازشوں کا مصدر ہے اور بندہ دریوزہ گری میں مگن

بندہ جس کا کھاتا ہے اُس کا گاتا ہے

جس در کے ٹکڑوں پر پلتا ہے اُس کی مدحت کی راہ چلتا ہے

آقا نے بندے کو کام سے لگا دیا، اُسے ڈیوٹی سونپ دی

بندے نے اُسے نصب العین بنا لیا

نصب العین بلند تر ہو تو حوصلے بھی بلند رکھنا پڑتے ہیں

مقصود روشنی ہو تو آنکھوں کے دیے بھی جلانا ہوتے ہیں

بندے نے آنکھوں کو باوضو رکھا اور نمازِ عشق کی نیت باندھ لی

یہی نمازِ عشق اُس کی ڈیوٹی تھی، یہی اُس کا فرض تھا

اِس فرض کی اہمیت معلوم ہو جائے تو لمحات مٹھی میں آ جاتے ہیں

فاصلے سکڑ جاتے ہیں

اِس فرض میں کوتاہی نہ ہو تو سارے ہدف پورے ہو جاتے ہیں!

پھر آقا اپنے ایک پیارے کے ذریعے بندے کو نوید دیتے ہیں کہ اُس کے

احساسِ غلامی کو شرفِ پذیرائی دے دیا گیا ہے۔

بندہ اپنے آپے میں کیسے رہے

یہ سند سب سے بڑی سند ہے

سب سے بڑی سند!

ایڈیٹر

میں محبت کی راہ چلا تو میں نے دیکھا
یگانے بیگانے سب متاثر ہیں۔

احباب بولے، اِس طرح صحت خراب کر بیٹھو گے، اعصاب تباہ ہو جائیں گے ——
اور جیبیں اُلٹ جائیں گی

دُنیا نے متنبہ کیا: گھر پھونک تماشا نہ دیکھو

حالات گویا ہوئے: زندگی مدکار ہے تو دُنیوی گھاٹے کا سودا نہ کرو

عقل نے الارم بجایا: ہم سے بگاڑ کر کوئی سکھ کی نیند نہیں سو سکا

اپنوں نے حیرت ظاہر کی: اِس بھاگ دوڑ میں کے دن جیو گے۔ رات تک کبھی یہاں ہوتے ہو کبھی وہاں۔ پھر رات گئے تک لکھنے پڑھنے کے کام میں کھوئے رہتے ہو۔ اپنے لیے اور اپنوں کے لیے تمہارے پاس کوئی لمحہ نہیں بچتا۔ بچو گے کیسے

بیگانوں کو اطمینان ہے کہ اس نے جو راہ منتخب کی ہے، سنگلاخ چٹانوں، گہری گھاٹیوں اور دشوار گزار گھاٹیوں کی راہ ہے —— اِس پر چلتے رہنے کا داعیہ رکھتا ہے تو بھٹکے گا

جواب میں محبت نے کہا: محبوب کا ذکر ہر حال میں ہوگا

دل پکارا: کسی سے لو لگانے والوں نے بھی کبھی عقل کی مانی ہے۔ کبھی آرام طلبیوں نے بھی سکھ بانٹے ہیں۔ کبھی رتجگے کے بغیر بھی لگاؤ کے مراحل طے ہوئے ہیں ——؟

حوصلے نے سر اونچا کیا: نصب العین کی عظمت کہیں تھکنے دیتی ہے۔ وہ سر بھی کہیں جھکا ہے جو سب سے بڑی درگاہ میں جھکنے کا شرف پا لے۔ وہ فرد بھی کبھی ہارا ہے جو عقیدت اور نیاز مندی کی بازی جیت چکا ہو، غلامی میں نام پیدا کرنا چاہے

تُف اُس محبت پر، جو سُود و زیاں کے پیچ میں اُلجھے
لعنت اس بندے پر، جسے آقا کی خوشنودی سے بڑھ کر کوئی تمنا ہو، جسے آقا کی بارگاہ کے علاوہ کہیں سے دریوزہ گری کی خواہش ہو

میرے نیک خواہو!
میری بھلائی چاہتے ہو تو راہِ تسلیم و رضا میں میری ثابت قدمی چاہو!
زندگی، صحت اور دولت کے بارے میں نہ سوچو،
یہ بے حقیقت چیزیں ہیں۔
بے وقعت اور بے حقیقت!!

زندگی مقصد رکھتی ہو تو زندگی ہے

مقصد کے بغیر یہ محض شرمندگی ہے

حاصلِ زندگی کی معرفت حاصل ہو تو مقصد واضح ہو جاتا ہے

مقصد واضح نہ ہو تو زندگی کے وسیلے اپنے اصلی سوتوں سے دور جا پڑتے ہیں

مقصد کے چراغ درست زاویے رکھتے ہوں تو اندھیروں کی بے ثباتی ظاہر ہو جاتی ہے

وجدان و شعور میں مقصد کے اُجیالے ضوفگن ہوں تو ماحول کے اندھیارے اور گمراہی کی راتیں کچھ نہیں بگاڑتیں

مقصد ہم رکاب ہو تو استقامت منزل کا نشان بن جاتی ہے

مقصد پیشِ نظر ہو تو مایوسیاں مغلوب ہو جاتی ہیں

زندگی مقصد کے تابع ہو تو قدم پسپائی سے ناآشنا ہوتے ہیں

مقصد کی پونجی دامن میں ہو تو مسافرت اور غربت، رحمت بن جاتے ہیں

پھر، یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ مقصد کتنا عظیم ہے

اور، —— اگر مقصد صرف مدحت و ثنائے سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہو تو ——

اس سے بڑے مقصد کا تصوّر بھی کہیں ممکن ہے؟

اگر واقعی کسی کی زندگی کا یہی مقصد ہو،

صرف یہی مقصد!

مئی ۱۹۸۹

سب محبتیں ایک محبت پر قربان کر دی جائیں تو ضمیر و خمیر ایمان کی لذت سے بہرہ مند ہوتے ہیں

سب چاہتیں ایک چاہت سے کمتر نہ ہوں تو تُف ہے چاہت کے اِدّعا پر

غلامی کی ایک ہی ڈوری سب سے مضبوط ہے۔ یہی ایک رشتہ تو سب رشتوں سے محکم ہے۔ ایک یہی تو تعلق ہے

مال اور اولاد کو امتحان کہا گیا ہے، —— تو مال و اولاد کو کسی کے ناموس پر نچھاور کر کے اس امتحان میں صد فی صد نمبر کیوں نہ لیے جائیں

جو ہماری جانوں کے ہم سے زیادہ مالک ہیں —— خدا سے محبت کے تمنائی، خدا کا محبوب بننا چاہیں تو اُن کی اِتّباع کے سوا چارہ ہی کیا ہے

حیاتِ مستعار کے سب ماہ و سال، عقیدت کے اُس لمحے پر نثار نہ ہوں، جب تعریف و ثنا میں خدا اور ملائکہ کی ہم زبانی کا شرف حاصل ہو —— تو یہ زندگی لاحاصل کیوں نہ کہلائے

ان کے بندے بنیں تو ہمیں رحمتِ خداوندی سے ناامید نہ ہونے کی نوید کیوں نہ ملے

جن کی رضا جوئی خالق خود کرتا ہو، ہم بندوں کے لیے ان کی خوشنودی سے زیادہ کسی چیز کی تمنا حرام کیوں نہ ہو

خدا انھیں خوش کرنے کے لیے ان کا ذکر بلند کرے —— تو ہم ان کا نام لیتے ہوئے کسی مالی منفعت یا شہرت کی خواہش کیوں کریں

جس کے دل میں یہ خیال بھی آئے وہ شرم سے گڑ کیوں نہیں جاتا

مر کیوں نہیں جاتا!

ستمبر ۱۹۸۹

محبُوب کی رضا جوئی مُحب کی اولین فوقیت ہوتی ہے
رضائے محبوب کے لیے اہلِ محبت کیا نہیں کرتے
سرخیلِ اربابِ محبت نے یہ رسم سب سے زیادہ نبھائی
وہ دلوں کو جاننے والا ہے۔ محبوب کے دل میں تمنّا پیدا ہوئی، سُورج نے
مغرب کو عصر کر دیا
محبوب کی انگلی اٹھی محبِ حقیقی نے سینۂ قمر میں لکیر ڈال دی
کسی نے مٹھی میں کنکریاں بھریں، کسی نے کھینچ ماریں
چاہے جانے والے نے بات کی۔ چاہنے والے نے کہا، میری بات ہے
صاحبِ اختیار محب نے کسی کو غنی کیا تو اس عمل میں محبُوب کو شامل گردانا
محبوب کو کسی نے اذیت دی، محب نے اذیت محسوس کی
راتوں میں کھڑے کھڑے محبوب کے پاؤں پر ورم آگیا تو محب کو
اچھا نہ لگا
کہا گیا، آپ چاہیں تو آپ کو تکلیف پہنچانے والوں پر پہاڑ اُلٹ دیے جائیں
پریشان کرنے والوں کو ولد الحرام بتایا گیا، یا ہاتھ ٹوٹنے کے کوسنے
دیے گئے
لگن رکھنے والے نے فرمایا، ہم اتنا کچھ دیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے
اُس نے محبوبِ ازلی (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی خواہش کو دیکھا تو قبلہ بدلوا دیا
"جدھر آپ کی مرضی ہو رُخ اُسی طرف پھیر لیں"
خالق کو مخلوقِ اوّل کی رضا مطلوب رہی ہے، مطلوب ہے، مطلوب رہے گی
ہم بھی اِسی راہ پر چلتے ہیں تو ہماری سمت راست ہے،
ورنہ نہیں!

مارچ ۱۹۹۴

مدّاح اور ممدوح،
ایک ذرّہ، — ایک وہ کہ آفتاب بھی ان کا اشارہ مانے
ایک عاصی، — ایک وہ کہ ہر عاصی ان کی نگاہِ شفاعت کو دیکھتا ہے
ایک عبد، — ایک وہ کہ انھیں عَبْدُہٗ کہا گیا، محبوب کیا گیا
ایک ایسا عبد، کہ اپنی جان پر ظلم کرتا رہتا ہو — ایک وہ آقا جو اپنے عبد کو
اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونے دیں
ایک مدّاح کہ اس کا سب سے بڑا افتخار یہی ہے — ایک وہ ممدوح کہ اُنھیں
میری مدح کی احتیاج نہیں
مدّاح اور ممدوح —
میرا اور ان کا ایک تعلق ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا
مگر یہ تعلق تو اُن کا اپنے خالق و مالک سے بھی ہے!
اللہ تعالیٰ مدّاح اور وہ ممدوح — لیکن اس تعلق میں اُنھیں
مدح کی احتیاج ہے، اللہ اس احتیاج سے پاک ہے
میں مدّاح اور وہ ممدوح — لیکن وہ اس حاجت سے پاک ہیں،
میری یہ ضرورت ہے
میں ایک ذرّۂ ناچیز اس صفت سے حیثیت پا لیتا ہوں
میں ایک عبدِ ہیچ میرز، اس سے اشرف المخلوقات بنتا ہوں
میں پرلے درجے کا ایک گناہگار، اِس طرح اپنی بخشش کا سامان کرتا ہوں
یہ میرے لیے خدائے قہّار کے غضب سے بچنے کے لیے مناسب اوٹ ہے
یہ میرے لیے خدائے رحیم و کریم کی رحمتوں کا مُژدہ ہے
میرا اور اِس صفت کا ساتھ کبھی نہ چھوٹے گا،
کبھی نہیں،
قیامت کے ہنگامے میں بھی نہیں!

جنوری ۱۹۹۲

بسم اللہ

جن کے دم سے سانسوں کی آمد و شد کا نظام قائم ہوا، اگر ہماری ہر
سانس اس حقیقت کا اعلان نہ کرتی ہو تو کتنی بڑی احسان فراموشی ہے
ہماری زندگی جن کے نُور کی مرہونِ منت ہے، اگر ہم ان کی ناموس
کی حفاظت میں جان قربان کرنے کا داعیہ نہ رکھتے ہو تو تُف ہے ہمارے
زندہ رہنے پر

ہم حیوانِ ناطق ہیں تو اس لیے کہ اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا ثبوت
اُن کی تعریف میں تر زبان ہونے سے دیں جن کی توصیف ان کا خالق کرتا ہے
ہم ہاتھ رکھتے ہیں تو اس سے نعت کیوں نہ لکھیں، ہم آنکھیں
رکھتے ہیں تو ان میں گنبدِ اخضر کو دیکھنے کی تمناؤں کو پروان کیوں نہ چڑھائیں۔
اور جب یہ حسرتیں پوری ہوں تو آنکھیں بند رہیں یا کھلی ہوں، ان میں
دیارِ طیبہ کے جلووں کا نقش کندہ کیوں نہ ہو جائے

ہمیں ذوقِ شعر و سخن ودیعت ہُوا ہے تو سرکار (صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم) کی مدح و ثنا میں رطب اللسان کیوں نہ ہوں،
زبان ملی ہے تو آقا حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے گُن کیوں نہ گائیں،
ذوقِ سماعت نصیب ہُوا ہے تو اسے ان کی باتیں اور ان سے
متعلق باتیں سُننے کے لیے مختص کیوں نہ کر دیا جائے،

اور پاؤں ہیں تو ان سے محبت کی راہ میں کیوں نہ چلیں،
عقیدتوں کے سفر پیر کیوں نہ گامزن ہوں، درودِ پاک کے سائے میں متحرک کیوں
نہ دکھائی دیں، نعت کے جلو میں سفر کیوں نہ کریں

جس کام کی نیت میں محبتِ سرورِ کائنات (علیہ السلام والصلوٰۃ)
کی کارفرمائی ہے، وہ کام اچھا ہے، جس حرکت کے پس منظر میں مدحتِ مصطفیٰ
(علیہ التحیۃ والثناء) کا جذبہ ہے، وہ حرکت مبارک ہے

عظمتِ حضور رسولِ کریم (علیہ التحیۃ والتسلیم) کا احساس مرحبا!
تحفظِ ناموسِ رسالت کا داعیہ سُبحان اللہ!
عقیدت و ارادت حبّذا!
درودِ پاک زندہ باد!
نعت پائندہ باد!!

ماہنامہ "نعت" کے گزشتہ شمارے

1988 — حمدِ باری تعالیٰ۔ نعت کیا ہے؟ مدینۃُ الرّسول ﷺ (اول و دوم) اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (اول و دوم)۔ نعتِ قدسی۔ غیر مسلموں کی نعت (اول)۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارُف (اول)۔ میلادُ النبی ﷺ (اول، دوم، سوم)

1989 — لاکھوں سلام (اول و دوم)۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارف (دوم) معراجُ النبی ﷺ (اول و دوم)۔ غیر مسلموں کی نعت (دوم) کلامِ ضیاء القادری (اول و دوم)۔ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (سوم)۔ درود و سلام (اول، دوم، سوم)

1990 — حسن رضا بریلوی کی نعت۔ آزاد بیکانیری کی نعت (اول)۔ وارثیوں کی نعت۔ درود و سلام (چہارم تا ہشتم)۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارُف (سوم)۔ غیر مسلموں کی نعت (سوم)۔ اردو کے صاحبِ کتاب نعت گو (چہارم)۔ میلادُ النبی ﷺ (چہارم)

1991 — شہیدانِ ناموسِ رسالت (اول تا پنجم)۔ غریب سہارنپوری کی نعت۔ اقبالؒ کی نعت۔ فیضانِ رضاؒ۔ نعتیہ مسدس۔ عربی ادب میں ذکرِ میلاد۔ سراپائے سرکار ﷺ (اول)۔ حضور ﷺ کا بچپن

1992 — نعتیہ رباعیات۔ آزاد نعتیہ نظم۔ سیرتِ منظوم۔ نعت کے سائے میں۔ حیاتِ طیّبہ میں پیر کے دن کی اہمیت (اول، دوم و سوم)۔ آزاد بیکانیری کی نعت (دوم)۔ سراپائے سرکار ﷺ (دوم)۔ سفرِ سعادت منزلِ محبت (اشاعتِ خصوصی)

1993 — ۹۲ (قطعات)۔ عربی نعت اور علّامہ نبہانیؒ۔ ستّار وارثی کی نعت۔ بہزاد لکھنوی کی نعت۔ حضور ﷺ اور بچے۔ حضور ﷺ کے سیاہ فام رفقا۔ رسول ﷺ نمبروں کا تعارُف (چہارم)۔ نعت ہی نعت (اول)۔ یا رسول اللہ ﷺ۔ حضور ﷺ کی رشتہ دار خواتین۔ تسخیرِ عالمین اور رحمۃٌ للعالمین ﷺ (اشاعتِ خصوصی)

1994 — محمد حسین فقیر کی نعت۔ اختر الحامدی کی نعت۔ شیوا بریلوی اور جمیل نظر کی نعت۔ بے چین رجپوری کی نعت۔ دیارِ نور۔ تضمینیں۔ نعت ہی نعت (دوم و سوم)۔ نورٌ علیٰ نور۔ حضور ﷺ کی معاشی زندگی۔ مدینۃُ الرسول ﷺ (سوم)۔ معراجُ النبی ﷺ (سوم)

1995 — حضور ﷺ کی عاداتِ کریمہ۔ استغاثے۔ نعت کیا ہے؟ (دوم، سوم، چہارم)۔ نعت ہی نعت (چہارم و پنجم)۔ کافی کی نعت۔ انتخابِ نعت۔ خواتین کی نعت گوئی (اشاعتِ خصوصی)۔ غیر مسلموں کی نعت گوئی (اشاعتِ خصوصی)

1996 — لطف بریلوی کی نعت۔ ہجرتِ مصطفیٰ ﷺ۔ سرکار ﷺ دی سیرت (پنجابی)۔ ظہورِ قدسی۔ حضور ﷺ کے لیے لفظ "آپ" کا استعمال۔ مجھے اُن ﷺ سے پیار ہے۔ اٹک کے نعت گو شعرا۔ اردو نعتیہ شاعری کا انسائیکلوپیڈیا (اول و دوم) --- دو خصوصی اشاعتیں)۔ نعت ہی نعت (ششم)
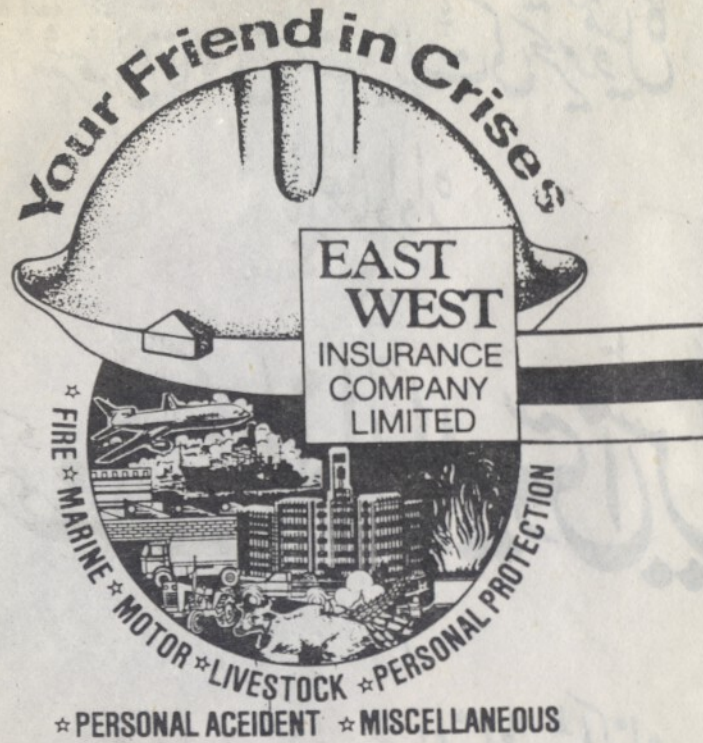
۱۹۹۷ کے خاص نمبر

جنوری	شہرِ کرم (مصطفیٰ ﷺ نگر)
فروری	نعت ہی نعت (ہفتم)
مارچ	ہُوا یہ کہ....
اپریل	جوہر میرٹھی کی نعت
مئی	حضور ﷺ دا ویریاں نال سلوک
جون	دربارِ رسول ﷺ سے اعزاز یافتہ خواتین
جولائی	احمد رضا بریلوی کی نعت
اگست	مدیحِ سرکار ﷺ
ستمبر	گجرات کے پنجابی نعت گو شعرا
اکتوبر	تہنیت النساء تہنیت کی نعت
نومبر	اردو نعت اور عساکرِ پاکستان
دسمبر	ڈاکٹر فقیر کی نعتیہ شاعری

۱۹۹۸ کے خاص نمبر

جنوری	نزولِ وحی (تحقیق)
فروری	ضلع گجرات کے اردو نعت گو شعرا
مارچ	قطعاتِ نعت
اپریل	نعت ہی نعت (ہشتم)
مئی	ہجرتِ حبشہ (تحقیق)
جون	عبدالقدیر حسرت کی حمد و نعت

آیندہ شمارہ

اگست ستمبر

قارئینِ کرام سے دُعا کی درخواست

میری صلاحیتیں والدین کے حُسنِ تربیت کے باعث نعت کی خدمت کے لئے مختص ہوئی ہیں اور ماہنامہ "نعت" لاہور کا اجرا میرے والدِ مرحوم راجا غلام محمدؒ (متوفی ۲۶ مئی ۱۹۸۸ بروز پیر) اور میری والدہ مرحومہ نور فاطمہؒ (متوفیہ ۱۹۔ اگست ۱۹۹۰۔ بروز اتوار) کی اشیرباد سے ہوا۔ اس لئے اگر آپ کو ماہنامہ "نعت" میں کوئی چیز پسند آجائے تو ان کی بلندیٔ درجات کے لئے دعا کریں۔

-------ایڈیٹر

Monthly **NAAT** Lahore
CPL 106